مصنفہ

حضرت مہذب لکھنوی (ممتاز الافاضل)

پتہ

مینجر محافظ اردو بکڈپو، منصور نگر، نیا محل لکھنؤ

حضرت مہذب لکھنوی

مراثی مہذب

جلد اوّل

حضرت مہذب لکھنوی مؤلف مہذب اللغات کے سات
نئے مرثیوں کا مجموعہ

ناشر
سید حسین میرزا مقبر

پتہ
منیجر محافظ اردو بک ڈپو منصور نگر
نیا محل لکھنؤ
سرفراز قومی پریس ناداں محل لکھنؤ میں
طبع ہو کے شائع ہوا

قیمت
دو روپیہ

فہرست مراثی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

رباعی

کس طرح کہیں ہو جو کہانی باقی | باقی ہے نہ دم نہ ہے جوانی باقی
پھر دل سے پڑھے گا نہ سنے گا کوئی | ہم تک ہے فقط مرثیہ خوانی باقی

مہذب

یہ وہ حقیقت ہے جس سے انکار ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اصناف سخن میں مرثیہ گوئی ایک ایسی صنف ہے جس نے اردو شاعری پر وہ احسان کیا ہے جو قیامت تک بھلایا نہیں جا سکتا۔

مرثیہ گوئی کی معراج کا سہرا لکھنؤ کے سر رہا

یوں تو بہت تھے مادحِ شاہنشہ زماں | مشہور لکھنؤ میں ہوئے تین خانداں
پہونچا ہے نام عشق و تعشق کہاں کہاں | تھے مہر و مہ انیس و دبیر ایسے مدح خواں

کب ایک ایک گوشے میں ان کی ضیا نہیں
جو تھا چراغ سامنے ان کے جلا نہیں

دشمنان زبان اردو لاکھ کوشش کریں مگر اردو زبان مرثیہ کی بدولت قیامت تک اس لئے ختم نہیں ہو سکتی کہ حسین ع کا غم اور تذکرہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

اُردو کو نور میں یدِ بیضا بنا دیا ۔ شیشہ جو تھی زبان اُسے ہیرا بنا دیا
اَسرار دشمنوں کو ہے ایسا بنا دیا ۔ ذرہ تھی جس کو عرش کا تارا بنا دیا
ایسا تو کور چشموں نے دیکھا نہیں چراغ
اس وقت تک بجھائے سے بجھتا نہیں چراغ

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اہل دہلی اور اہل لکھنؤ نے غزل گوئی کی دنیا میں اُردو کی بڑی خدمت کی۔ جہاں اس کا قائل ہونا پڑے گا وہاں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مرثیہ گو یوں کی بدولت اُردو کی ہمہ گیری مسلم ہو کے رہی۔

اک کم سخن تھی بات کے قابل بنا دیا ۔ دنیا کی ہر زباں کا مقابل بنا دیا
ہندوستان کے حسن کا حاصل بنا دیا ۔ ایسا سجا کہ نور کی منزل بنا دیا
اُردو میں گو غزل نے لگائے تھے چار چاند
اعجازِ مرثیہ نے لگائے ہزار چاند

حضرتِ دبیر ہوں یا حضرت عشق، حضرتِ انیس ہوں یا حضرت تعشق یا دیگر مداحِ حسینؑ۔ ان سب نے اُردو زبان کے ذریعہ واقعاتِ کربلا کی ایسی تصویر کشی کی ہے جو بڑے سے بڑے مصوّر سے ناممکن ہے۔

اُردو نے مدحِ آل کا دریا بہا دیا ۔ ہندوستاں میں رنگِ ثنا کا جما دیا
ہر فرد کو حسینؑ کا شیدا بنا دیا ۔ میدانِ کربلا کا مرقع دکھا دیا
ہیں آج تک کمال کے جھنڈے گڑے ہوئے
سب لوگ جنگ دیکھ رہے ہیں کھڑے ہوئے

یہی ایک ایسی زبان ہے جو مرثیہ کی بدولت سارے ہندوستان پر چھا گئی بلا قیدِ مذہب و ملت ہر ہر فرد کو حسینؑ کا شیدا بنا دیا۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں مرثیوں کی

جلدیں موجود ہیں۔ حسینؑ کے ایثار حسینؑ کے صبر کا ہر زبان پر تذکرہ ہے۔

چھائی ہے مرثیہ کی بدولت جہان پر — آنے دیا نہ حرف کبھی آن بان پر
دل سے جو ہے نثار پیمبرؐ کی جان پر — نام امام آنے لگا ہر زبان پر

ہندوستان میں ہو گیا چرچا حسینؑ کا
اُردو زبان پڑھتی ہے کلمہ حسینؑ کا

اُردو زبان کو معراج ترقی پر پہونچانے والے صرف مرثیہ گو ہی کہے جا سکتے ہیں، غزل گویوں کے خدمات کا اعتراف ہر منصف مزاج پر واجب، لیکن مرثیہ گویوں کی کاوشیں اور پرخلوص خدمات کسی قیمت پر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ غزل کی محدود دنیا کو یہ تسلیم ہے کہ مرثیہ کے دامن کی وسعت ناقابل انکار ہے۔ محاکات و تخیل کے لئے اُردو کو مرثیہ میں وہ بیش بہا جواہر ملے جن سے اُردو زبان مالا مال ہو گئی۔ اور معراج کی اُس منزل پر پہونچ گئی ہے۔ جسکے بعد ترقی کی حدیں ختم نظر آتی ہیں۔ یہ بھی مرثیہ گویوں کا ایک خاص احسان ہے۔

اُردو میں مدح کرکے مُقدر بنا دیا — ذرہ زبان تھی مہ انور بنا دیا
بگڑے ہوئے نصیب کو یاور بنا دیا — یوں درجہ ذکر جان پیمبرؐ بنا دیا

کچھ دن میں سب زبانوں کی سرتاج ہو گئی
منبر پہ جب پہونچ گئی معراج ہو گئی

قدرت نے اس زبان کو ایک خاص حسن کا مالک بنایا ہے۔ اس کی ہر ادا ہر دل کو پسند اس کی صورت ہر نظر کی جاذب ہے۔ آج بھی باوجودیکہ زمانہ ناسازگار ہے۔ دنیا اس کہنے پر مجبور ہے کہ اُردو زبان کی نرمی اور اُس کا لوچ دلوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ لکھنؤ کی زبان کی شیرینی کا سکہ آج بھی دلوں پر بیٹھا

ہوا ہے۔ غزل نے حسن و عشق کی داستانیں بنائیں، محبت کے صحیح جذبات کا باغ لگایا۔ ہر طرف گلوں کے انبار نظر آتے ہیں۔ بلبل کا عشق گل کا حسن آج بھی مرقع کی شکل میں ہر دیوان میں نظر آتا ہے۔

برق و آشیاں کا تذکرہ آج بھی بے ثباتی دنیا کا سبق دے رہا ہے مگر مرثیے نے اُن واقعات کی مصوری کی اور اُن جذبات اور حالات کی صورت نگاری کی جن پر تمام اہل جہاں کا اجماع ہے۔ امام حسینؑ اور انصار حسینؑ کے ایثار و قربانی کا تذکرہ تمام دلوں کو ایک مرکز پر لانے کا ذمہ دار ہو گیا جہاں مرثیہ گویوں نے حسینؑ اور جانثاران حسینؑ کے کارناموں کو عالم کے سامنے حتی الامکان پیش کرتے ہوئے اسکا اعتراف کیا ہے کہ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ حق ادا کرتے۔ وہاں جس چیز کو حسینؑ کی طرف نسبت ہے۔ اُس کی مدح و ثنا میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی چنانچہ روضۂ سید الشہداءؑ کی مدح کی ہے۔ کربلا کے گلی کوچوں کی ثنا کی ہے۔ اشتیاق دیدار کربلائے معلےٰ کا تذکرہ کیا ہے۔

مقامات جہاں سب خوب دیکھے ہم نے اے رضواں
وہاں لے چل جہاں سے کربلا معلوم ہوتی ہے
آدب

جہاں عرش کی صفت معلےٰ ہے وہاں کربلا کی صفت بھی معلےٰ ہے۔

ایسی خدا نے دی تھی ادا جاذب نظر
کی اس زباں نے خدمت سلطان بحر و بر
تعریف کربلائے معلےٰ کا ہے اثر
سب کی نگاہ پھرتی تھی کرتی تھی رُخ جدھر

اہل جہاں نے عرش کا تارا لگا دیا
اُردو کے ساتھ لفظ معلےٰ لگا دیا

چونکہ میرا خاندانی تعلق حضرت عشق و تعشق سے ہے اس لیئے میں نے تمام عمر کا حصہ مداحی حسینؑ میں صرف کیا۔ پچپن ۵۵ سال کی عمر ہے۔ باون ۵۲ مرثیے بحمداللہ کہہ چکا ہوں۔ ابھی ہمت کمی کرنے کو

تیار نہیں ہے۔ دن رات اسی فکر میں رہتا ہوں کہ کوئی نیا مرثیہ اور ہو جائے تو بہتر ہے۔

اک دَور تھا جب مرثیہ خوانی کا شباب تھا۔ پہلا دور حضرت دبیرؔ و انیسؔ و تعشقؔ و عشقؔ کا تھا جب یہ ہستیاں دنیائے مرثیہ گوئی میں بادشاہت کر رہی تھیں دوسرا دَور حضرت نفیسؔ و ادیبؔ و رشیدؔ و اوجؔ کا گذرا اس عہد تک مرثیہ خوانی معراج کی منزل پر باقی تھی مداحوں کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہستیوں نے کمال بھی ایسا پیدا کیا تھا۔ کہ دنیا قدر و منزلت پر مجبور تھی۔ نظم کا ذوق باقی تھا۔ ادب کے دلدادہ زندہ تھے تیسرا دَور جناب عروجؔ و مودبؔ و ذکیؔ۔ رفیعؔ قدیم۔ عارفؔ و فریدؔ کا گذرا اس دَور تک مرثیہ خوانی کا رنگ جما ہوا تھا ماہ رجب میں یہ سب اساتذہ نئے نئے مرثیے پڑھتے تھے صاحبانِ ذوق بیرون جات سے لکھنؤ تشریف لاتے تھے۔ اور انتہائی شوق و ذوق سے مجالس میں شرکت کر کے داد سخن دیتے تھے۔ جیسے یہ حضرات کہنے اور پڑھنے والے تھے اور اس فن میں کمال پیدا کیا تھا ویسا ہی سننے والے بھی اہل نظر تھے۔

یہ چوتھا دَور جس میں میرا شمار ہے۔ اسی میں جناب رشیدؔ و نجیبؔ و صادقؔ ہیں۔ یہ دَور بڑی کس مپرسی کا ہے۔ کوئی قدر نہیں ذوق ادب و زبان ختم ہو چکا ہے۔ چونکہ مرثیہ گوئی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں اس لئے۔ یہ چند ہستیاں بھی دکھائی دیتی ہیں ان کے بعد لکھنؤ میں سناٹا نظر آئے گا حضرت نجیبؔ نے جو شاگرد حضرت اوجؔ رحمہ اللہ ہیں مرثیہ خوانی کے علاوہ بھی خدمات کئے ہیں آپکے مراثی کی دو جلدیں بد رکامل بھی شائع ہو چکی ہیں جو قابل دید ہیں

میں اس سے زیادہ خدمت کر نہ سکا گر کیا کروں، کمسنی سے لغت نویسی کا ایسا شوق پیدا ہوا جس نے دنیا کا کوئی اور کام نہیں کرنے دیا۔ الحمد للہ وہ لغت جسے چھتیس سال میں تیار کیا ہے۔ منظر عام پر آچلا ہے پانچ پانچ سو صفحات کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ حرف جیم تک پہونچ چکا ہوں، عنقریب چوتھی جلد بھی منظر عام پر آنے والی ہے۔ جو حرف

دال تک ہے۔ ہر جلد کی قیمت گرانی کیوجہ سے مبلغ اٹھارہ روپیہ (عہ۱۸) ہے۔ یہ خدمت بھی اہل ادب سے داد کی خواہاں ہے۔ ابھی تیرہ جلدیں مہذب اللغات کی اور شائع کرنا ہیں۔ اہل ذوق سے امیددار دعا ہوں۔

ان تمام خدمات کے علاوہ تئیس (۲۳) کتابیں مؤلفہ و مصنفہ اور بھی شائع کر چکا ہوں جنمیں زیادہ تر ایسی جلدیں ہیں جن میں اساتذہ کے مراثی غیر مطبوعہ شائع کیے ہیں باقی ادبی و فنی کتابیں یا دیوان ہیں۔

اس پیش نظر جلد مراثی سے پھر سلسلۂ اشاعت مراثی قائم کیا ہے ہر دوسرے مہینے ایک جلد مراثی غیر مطبوعہ شائع ہوا کریگی جس کی قیمت صرف دو۲ روپیہ (عہ۲) ہوگی۔ اہل ادب اگر مناسب سمجھیں تو زیادہ سے زیادہ ممبر بن جائیں تاکہ سلسلہ باقی رکھنے میں سہولت ہو۔

خادم ادب مہذب بقلم یکم جولائی سنہ ۱۹۶۳ء
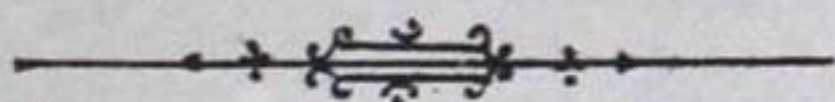
صاحبانِ ذوق

یہ زریں سلسلۂ اشاعت قائم ہوا ہے۔ دو ماہ کے فصل سے ایک نئی جلد شائع ہوا کریگی سال کی چھ جلدیں قیمت ہر جلد کی دو۲ روپیہ ہوا کریگی۔ ۲۰ پونڈ کا سفید کاغذ، عمدہ لکھائی چھپائی، شاعر کا بلاک نفیس جلد مع خوشنما کور صفحات (۱۲۰) جو صاحب سال بھر چندہ عہ۱۲ پیشگی مرحمت فرمادیں گے اُنکے لئے خرچہ ڈاک معاف ہے۔ یہ جلد مراثی مہذب ہے۔ اس کے بعد حضرت تعشق رحمۃ اللہ کے مراثی غیر مطبوعہ شائع ہونگے اُسکے بعد یا حضرت انیس یا حضرت نفیس کا کلام شائع ہوگا اُسکے بعد حضرت رشید لکھنوی کے مراثی غیر مطبوعہ شائع ہوں گے۔ ادارہ کی امداد یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ ممبر بنجائیں۔

ناشر مقرب لکھنوی یکم جولائی سنہ ۶۳ء

پتہ منیجر محافظ اردو بک ڈپو منصور نگر نیا محل لکھنؤ

پہلا مرثیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف نے مئی ۱۹۵۰ء میں سفر کربلائے معلیٰ کیا تھا، دل جذبات سے معمور تھا۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں حالات سفر نظم کیے اور رخصت و آمد و جنگ و شہادت سید الشہداءؑ نظم کر کے مرثیہ ختم کیا ہے۔ یہ مرثیہ حضرت مؤدب رحمۃ اللہ کا نذر کردہ ہے۔ انتہائی خوشی میں یہ عبارت صفحۂ اول پر تحریر فرمائی ہے۔ (جناب سید الشہداءؑ قبول فرمائیں۔ مؤدب عفی عنہ ۱۳ رجب ۱۳۷۰ھ)

مطلع
دیکھ کے روضۂ شبیرؑ کو ہم آئے ہیں

بند (۱)

دیکھ کے روضۂ شبیرؑ کو ہم آئے ہیں ہند میں چھوڑ کے گلزارِ ارم آئے ہیں
لے کے سوغات پئے ملکِ عدم آئے ہیں ہمہ تن شاد گئے پیکرِ غم آئے ہیں
رشکِ فردوس کو کیا رنج تھا کیونکر چھوڑا
فیصلہ اس کا حسینؑ ابن علیؑ پر چھوڑا

میں چلا شوق میں گھر سے جو زیارت کے لئے ہو گئے ساتھ ملک میری حفاظت کے لئے
حد جو کوئی نہ تھی عصیاں کی کثرت کے لئے میری ہر سانس بہانہ ہوئی رحمت کے لئے
یوں سکونِ عشق شہنشاہِ امم نے بخشا
کہہ دیا جیسے خدا نے تجھے ہم نے بخشا

عشق شبیرؑ کا ایما تھا قدم جلد اٹھاؤ حسن دولت کا تقاضا تھا مری راہ پہ آؤ
کہتی تھی الفت اولاد زیارت کو نہ جاؤ تھا یہ ارشاد پدر خیر میں کیوں دیر لگاؤ
دل میں مدت سے کھٹکتا ہے جو کانٹا نکلے
تم ہو زائر تو مرے دل کی تمنا نکلے

شوق میں میں نے معین جو کیا روز سفر جمع احباب و اعزا ہوئے سن کے یہ خبر
سب پہ تھی میری نظر سب کی فقط مجھ پہ نظر رنج سے ظاہر تھی خوشی دل پہ مگر غم کا اثر
ساتھ رہتے تھے سوئے شاہ امم بھی چلتے
سب کے چہرے یہی کہتے تھے کہ ہم بھی چلتے

جب ارادہ مرا پایا مری دیکھی عجلت سب بغلگیر ہوئے کرنے لگے سب رخصت
اس گھڑی میرے پدر کی تھی عجب کیفیت ساتھ اشکوں کے ٹپکتی تھی نظر سے حسرت
مجھ کو اس وقت قیامت کی گھڑی یاد آئی
شاہ سے رخصت ہمشکل نبیؐ یاد آئی

ناگہاں شور حرم میں سنا کہ ہوئے سب ہشیار قافلہ ہو گیا چلنے کے لیے جب تیار
ہو کے ایک ایک سے بغل میں رخصت کئی بار دوڑ کے اپنی سواری پہ ہوا میں اسوار
سب نے الفت سے خدائے ازلی کو سونپا
میرے والد نے حسینؑ ابن علیؑ کو سونپا

پھر یہ فرمانے لگے عاشق سلطان انام ایک دنیا میں فقط ہے یہ مرا تم سے کام
جا کے ممدوح سے مداح کا کہنا یہ پیام آپ کو ہند میں ہر صبح جو کرتا ہے سلام
اس موت کا یہ ارمان نکالو آقا
آخری وقت مجھے روضہ پہ بلا لو آقا

جوش میں کہہ کے بہت خوب چلا میں شاداں ہو گئی تیز سواری مری منزل سے رواں
مختصر تھا مرے ہمراہ سفر کا ساماں یا دعا باپ کی تھی یا مرے دل کے ارماں

نہ تنہائی و غربت سے نہ گھبراتا تھا
جس طرف دل لیئے جاتا تھا اُدھر جاتا تھا۔

بڑھتی ہی جاتی تھی یاد شہِ نیک صفات ہر گھڑی کٹتا رہا تھا راستہ یا بندِ حیات
شب کو بھی ذکرِ دعا ذکرِ دعا آئے رات کیوں نہ خلق اسکو کہے خوبیٔ تقدیر کی بات

میری منزل تھی جہاں ختم وہاں جا پہونچا
یاد عباسؑ علیؑ میں لب دریا پہونچا

ناگہاں عشق و محبت نے دکھایا اعجاز کٹ گئیں ہجر کی گھڑیاں نہ رہا فکر سے ساز
ایک نے دوسرے زائر کو دی بڑھ کے آواز دیکھ لی دل کی کشش آ گیا ساحل پہ جہاز

دوڑ کے شوق میں ہر عاشق و شیدا بیٹھا
جو جگہ مل گئی جسکو وہ وہاں جا بیٹھا

دل میں تھا عاشقوں کے شوقِ زیارت کا راز دفعتاً کان میں اک آئی ڈرانی آواز
خبر انجام کی کیوں دے نہ مبارک آغاز مڑ کے آہستہ چلا چھوڑ کے ساحل کو جہاز

ہو جو بیتاب وہ کیونکر سرِ منزل ٹھہرے
جسقدر تیزی رفتار بڑھی دل ٹھہرے

راہ میں پھر نظر آئے نہ در و بام کہیں پانی ہی پانی تھا خشکی کا نہ تھا نام کہیں
چین لیتے ہیں بھلا عاشقِ ناکام کہیں دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

رک کے دو چار جگہ بر سرِ منزل پہونچے
یاد میں تشنہ لبوں کی سرِ ساحل پہونچے

جب جہاز آ کے رُکا ہو گئے دل سب کے شاد   جسکی امید نہ تھی پا گئے عاشق وہ مراد
ختم پر تھا جو سفر شہ کی بڑھی اور بھی یاد   دی صدا دل نے کہ کل نار سے ہونگے آزاد

کاٹ کے ہجر کی شب خلدِ بریں دیکھیں گے
صبح کو روضۂ شاہنشہِ دیں دیکھیں گے

پھر کیا خوبیِ تقدیر سے خشکی کا سفر   ہجر کی رات خدا جانے گذاری کیونکر
وقف تھی ڈوبتے تاروں کے لیئے میری نظر   زندگی تھی جو نظر آ گئے آثارِ سحر

ہر قدم مجھ کو نظر رحمتِ باری آئی
لے کے پیغامِ خوشی بادِ بہاری آئی

جوں جوں ہوتا تھا اُدھر مہرِ جہانتاب بلند   ہوتا جاتا تھا ادھر شوقِ زیارت دہ چند
طے کیئے جاتا تھا ہر آن رہِ پست و بلند   نیند غالب تھی مگر آنکھ نہیں ہوتی تھی بند

کبھی گھبرا کے اِدھر گاہ ادھر دیکھ لیا
جس طرف آنکھ اُٹھی تا حدِ نظر دیکھ لیا

دید کے شوق میں بیتاب تھا قلبِ مہجور   کبھی ہوتا تھا الم اور کبھی ہوتا تھا سرور
ناگہاں شور ہوا کوندتی ہے برقِ طور   دیکھ لو دور چمکتے ہیں وہ دو گنبدِ نور

ڈوبتے دل کے لیئے دنکو سہارے دیکھو
اپنی قسمت کے چمکتے ہوئے تارے دیکھو

ہائے وہ پہلی نظر اور وہ چشمِ حیراں   جس پہ کل عشق کی دنیا کے تصدق ارماں
بڑھ کے جذبات نے آنکھوں کا اٹھایا طوفاں   سنسنی پھیل گئی دل سے گئی تاب و تواں

دی گناہوں نے صدا کس لیئے گھبراتے ہیں
آپ جاتے ہیں اِدھر اور ہم اُدھر جاتے ہیں

کیا سفر تھا جسے سرمایۂ خلقت سمجھا خاک پر بیٹھنے کو تخت حکومت سمجھا
دشت آیا جو نظر گلشن جنت سمجھا مجھ کو تکلیف جو پہونچی اسے راحت سمجھا
شب کو کرتا تھا دعا آئے کہیں عید کا دن
ہر سحر کو یہ سمجھتا تھا کہ ہے عید کا دن

اپنی تقدیر کے بننے پہ تھی مجھ کو حیرت داخل ارض مقدس ہوا میں خوش قسمت
اب میں سمجھا کہ نکلنے کو ہے میری حسرت کیا کروں دل کو خوشی سے ہوا جوش رقت
یاد کچھ آ گیا منھ اشکوں سے دھویا ہی کیا
دیر تک سر کو جھکائے ہوئے رویا ہی کیا

ایک خادم نے کہا آپ چلیں میرے یہاں کر دیا بار سواری پہ مرا سب ساماں
مجھ کو تعجیل تھی میں نے کہا بے قصد کہ ہاں جس طرف لیکے چلے وہ میں گیا ساتھ رواں
ہو گیا ختم سفر قصر جناں میں پہونچا
روضۂ شہ کے قریب انکے مکاں میں پہونچا

یہ وہ تھا وقت کہ کچھ دیر میں ہونیکو تھی شام مستقر مل گیا لیکن نہ کیا میں نے قیام
کیا کروں دل کو نہا دھو کے بہ تعجیل تمام میں چلا گھر سے سوئے روضۂ سلطان انام
باعث خلقت افلاک و زمیں آ پہونچا
تیرے لینے کے لئے مہدئ دیں آ پہونچا

اسلئے تیز چلا جلد پہونچ جاؤں کہیں دل کو پہلو میں جو دیکھا تو مرے پاس نہیں
ہر قدم سرعت رفتار دلاتی تھی یقیں دوڑتی ساتھ چلی آتی ہو رستہ کی زمیں
دیکھ کے شوق ملک راہ سے ہٹ جاتے تھے
اٹھ کے ذرے مرے دامن سے لپٹ جاتے تھے

دیدِ محبوب کو تھا پہلے بہل دل بیتاب — شوق کے ساتھ زیادہ ہوا جاتا تھا حجاب
تھا روانہ طرفِ بادشہِ عرش جناب — حسنِ قسمت سے دکھائی دیا پہلا مجھے باب
جانِ فردوس کی تصویر کو چوما میں نے
کہ درِ روضۂ شبیرؑ کو چوما میں نے

بڑھ کے میں نے جو رکھا صحنِ مبارک میں قدم — ہر طرف نور و ضیا کا نظر آیا عالم
دی صدا دل نے اسی روضۂ اقدس کی قسم — واقعاً محسنِ اسلام ہے سلطانِ اُمم
صفتِ اللہ و پیمبرؐ کی بیاں ہوتی تھی
وقتِ مغرب تھا منارے پہ اذاں ہوتی تھی

گو فضیلت کا تھا خالق سے دمِ راز و نیاز — منتظر دیر سے میرے تھے شہنشاہِ حجاز
دی صدا وقت نے آؤ درِ روضہ ہے باز — میں تو موجود ہوں کچھ دیر میں پڑھ لینا نماز
مل کے آقا سے ادا حقِّ محبت کر لو
مصلحت میری یہی ہے کہ زیارت کر لو

ایک جا جوشِ زیارت میں نہ تھا مجھ کو قرار — اذن پڑھنے کو پڑھا ہو گیا لیکن مجھے بار
قابلِ دید تھی یہ شوقِ زیارت کی بہار — ناگہاں بلبلِ دل اُڑ گیا سوئے گلزار
صورتِ ماہیِ بے آب تڑپ کر پہونچا
مجھ سے پہلے مرا دل روضے کے اندر پہونچا

عرش کا روضۂ پُر نور میں تھا بند و بست — حوصلہ پڑھنے میں جبرئیلِ امیں کا تھا پست
دبدبہ صاف یہ کہتا تھا بخلاقِ الست — بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است
روکشِ منزلِ قدس اہلِ فلک پاتے تھے
پر سمیٹے ہوئے روضے میں ملک جاتے تھے

پڑگئی روضۂ پر نور پہ پہلی جو نظر ہوگیا پاک کہ جاتا رہا عصیاں کا اثر
اسی ساعت ہوئی اندیشۂ عصیاں سے مفر اب جو دیکھا تو نہ تھا ایک ملک کاندھے پر

ہر غم و رنجِ جہاں مجھ کو فراموش ہوا
جو بد اعمالیاں لکھتا تھا سبکدوش ہوا

دفعتاً جا کے رکا نزدِ ضریحِ اقدس جس قدر تھیں ہوسیں ملکے ہوئیں ایک ہوس
دیکھ کر مرقدِ مظلوم و امامِ بیکس کھینچتا تھا دلِ ناشاد و حزیں سرد نفس

طرزِ آدابِ مقرر سے میں ناچار ہوا
کہ زیارت کا بھی پڑھنا مجھے دشوار ہوا

جلوہ گر سامنے تھا حسن و جمالِ دلدار ایسی منزل میں بھلا دل کو کب آتا ہے قرار
شوق میں قوتِ احساس ہوئی تھی بیکار ختم کرتے ہی زیارت کے بڑھا میں یکبار

یوں ضریحِ جگر و جانِ نبیؐ سے لپٹا
اپنے نزدیک حسینؑ ابنِ علیؑ سے لپٹا

روزِ عاشور کی تھی سامنے میرے تصویر دل میں بیٹھا ہوا تھا رنج و غم و ہم کا تیر
جس گھڑی ملگئی سینے سے ضریحِ شبیرؑ اس گھڑی حق سے ادا ہوگئی میری تقدیر

رات دن اشکوں سے منھ دھوتا تھا دھویا نہ گیا
لاکھ رونے کا ارادہ کیا رویا نہ گیا

پھر گیا دوڑ کے میں گنجِ شہیداں کے قریب آگیا ملکے شہیدوں سے میں تا قبرِ حبیب
اسی گردش نے تو سیدھے کیے یہ اخترِ نصیب ہوش میں لا کہ نہ تھا اور مری حالت تھی عجیب

اپنے آئینۂ قسمت پہ جلا کرنے لگا
تحتِ قبہ میں کھڑے ہو کے دعا کرنے لگا

حسرتیں اور جو تھیں اُن کے لئے حق سے کہا اُسکے بعد اپنے پدر کے لئے کی میں نے دعا
اور پھر اہل و عیال اور عزیز و رُفقا سبکی جانب سے کیا عرض کہ اے بے ہمتا

آل کے عشق کا سب کو یہ صلا دے مالک
میں جہاں پر ہوں ہمیں سبکو بلا لے مالک

دم سجود دیکھتا تھا روضۂ سلطانِ زماں آئی ہاتف کی ندا پا گئے باغ رضوان؟
حسرتیں ہو گئیں پوری بہ طفیلِ یزداں شوق کہتا تھا کہ باقی ہے ابھی ایک ارماں

سوئے قبرِ خضر و غیبت الیاس چلو
اے تہذیب طرف روضۂ عباسؑ چلو

میں بھی کہتا تھا کہ باقی ہے ابھی اک حسرت منتظر ہوں گے بہت دیر سے چھوٹے حضرتؑ
کر کے تسلیم ہوا اسبطِ نبیؐ سے رخصت میں تڑپتا ہوا روضے سے چلا برق صفت

عاشقِ صادقِ سلطانِ ہدا تک پہونچا
کلِ ایماں کے پسرِ کلِ وفا تک پہونچا

رات کا وقت تھا یاد آ گئے گیسوئے حسینؑ دی صدا شوق نے پھر دیکھیے پھر سوئے حسینؑ
مجھے لینے کے لئے آ گئی خوشبوئے حسینؑ پھر چلا روضۂ عباسؑ سے میں سوئے حسینؑ

تھی مرے ساتھ جو خوبیٔ مقدر پہونچا
پھر پڑھا اذن میں پھر روضہ کے اندر پہونچا

سلسلہ پھر تو شب و روز یہی تھا جاری اس سے فارغ ہوا اُس روضہ کی کی تیاری
بے زیارت کئے مجھے ہوتی تھیں گھڑیاں بھاری کچھ دنوں خوب مقدر نے مرے کی یاری

ایک دن روضۂ شاہنشہ دیں چھوٹ گیا
آئی آدمؑ کی صدا خلد بریں چھوٹ گیا

خانہ زادِ فنی تھا جو مدّاحِ شہنشاہِ زماں — بڑی عزت سے رہا سبطِ نبی کا مہماں
تحتِ قبہ مرے جتنے تھے بر آئے ارماں — کربلا سے طرفِ ہند ہوا جب میں رواں

عشق کی دادِ مثالی اب وہ جد لیکے چلا
اپنے آقا سے محبت کی سند لیکے چلا

کیسی ساعت تھی دیا جس نے جدائی کا پیام — آخری میں نے کیا سبطِ پیمبرؐ کو سلام
مجھ سے جب وقت چھٹا روضۂ سلطانِ انام — مرے ارمان تڑپتے تھے بپا تھا کہرام

پھری نظروں میں ولی ابنِ ولی کی رخصت
آ گئی یاد حسینؑ ابنِ علیؑ کی رخصت

روزِ عاشور مصیبت میں تھے شاہِ ابرار — بند تھا آب کہ تھی نہر پہ فوجِ کفار
جاں نثاروں کو ملی آپ سے دادِ پیکار — وقت ایسا بھی اک آیا کہ چھٹے سب انصار

ظہر تک اکبرؑ و عباسؑ دلاور نہ رہے
چھ مہینے کے جہاں میں علی اصغرؑ نہ رہے

آئے رخصت کے لیے خیمۂ اقدس میں امامؑ — دی صدا جوش میں اک ایک کا لے لے کے نام
قوتِ صبر نے روکا جو مچا تھا کہرام — جان دینے پہ تھے تیار شہنشاہِ انام

ابرِ رنج و غم و ہم بیبیوں پر چھانے لگے
دیکھ کے سب کی طرف آپ فرمانے لگے

جب وہ پُر شور زمانہ مجھے آنا ہی پڑا — خود میں ہنستا ہوں مگر سب کو رلانا ہی پڑا
جب سے دل بھاگتا تھا غم وہ اٹھانا ہی پڑا — یہی کہتا ہوا آیا ہوں کہ جانا ہی پڑا

تھم گیا بڑھ کے میں دردِ جگری کی صورت
ابھی جاتا ہوں نسیمِ سحری کی صورت

سن کے آواز چلے سب حرم شیر الٰہ   کوئی کرتا ہوا نالے کوئی کرتا ہوا آہ
حالتِ زینبؑ و کلثومؑ تھی صدمے سے تباہ   ایک نقطہ پہ تھی ٹھہری ہوئی گھر بھر کی نگاہ
دن کو چھایا ہوا دیکھا جو اندھیرا سب نے
دائرہ باندھ کے شبیرؑ کو گھیرا سب نے

درد کی سن کے صدا جمع ہوا سارا گھر   یاس کی صبر کے مالک پہ تھی ہر اک کی نظر
شرم سے بیکس و مظلوم کا اٹھتا تھا نہ سر   اس طرف جا کے دیکھا نہیں بانو تھیں جدھر
خون اصغرؑ کی تری گھائیوں میں پاتے تھے
ہاتھ بغلوں میں چھپائے ہوئے شرماتے تھے

بیچ میں اہل حرم کے تھے شہ جن و بشر   کبھی جلدی میں ادھر دیکھتے تھے گاہ ادھر
سب یہی چاہتے تھے گھر سے نہ جائیں باہر   آپ اسی فکر میں تھے جاؤں یہاں سے کیونکر
ہے یہ دشوار کہ میداں کی اجازت مل جائے
کیا کہوں میں جو خوشی سے مجھے رخصت مل جائے

اس تردد میں کھڑے تھے ابھی شاہنشہ دیں   آگئیں سب کو ہٹاتی ہوئی کلثومؑ قریں
بھائی کے قدموں پہ گر کے ہوئی گویا وہ حزیں   آپ اب جا نہیں سکتے کہ کوئی گھر میں نہیں
دی صدا مڑ کے سکینہؑ مری امداد کرو
تھام کر دامن شبیرؑ کو فریاد کرو

ختم ہوئے تھے سخن کلثومؑ ابھی شاہ زمن   دوڑ کے تھاما سکینہؑ نے پدر کا دامن
یہ تو جلدی میں فقط کہہ پائے ہاں ہاں نہ بہن   رہ گیا دیکھ کے ہر ایک کا منہ تشنہ دہن
پھر کہا دل سے کہ دشوار ہے جانا میرا
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا میرا

تھام کے بازوئے کلثوم یہ بولے سرورؑ — میرے سر کی قسم اب خاک سے اُٹھو خواہر
چاہیئے بنتِ علیؑ پالنے والے پہ نظر — یہی لازم ہے بھروسہ نہ کرو تم مجھ پر
مشکلیں سہل جو کردے تو کوئی دور نہیں
میں تو ہر طرح ہوں مجبور وہ مجبور نہیں

اُٹھی جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ مجبورِ الم — رُخ سے بالوں کو ہٹا کے یہ کہا شاہِ اُمم
کیا کمر باندھی ہے جانے کے لیئے ملکِ عدم — کہا شبیرؑ نے کیوں ہنسنے لگے خلق میں ہم
گئے جنت میں جو بیتاب تھے جانے کے لیئے
سب ہمیں چھوڑ گئے خاک اُڑانے کے لیئے

پھر سکینہ سے یہ گویا ہوئے شاہِ دوجہاں — چھوڑ دو باپ کے دامن کو میں تم پر قرباں
بھول جاؤ مجھے کچھ دیر کا ہوں میں مہماں — کون سینے پہ سُلائے گا تمہیں اے مری جاں
اُٹھ کے فرقت میں نہ منہ اشکوں سے دھونا بی بی
یاد کر کے مجھے راتوں کو نہ رونا بی بی

نہ لیا گود میں تعجیل کا پیدا تھا سوال — پیار کرنے لگے خم ہو کے شہِ نیک خصال
منہ جو رخسار پہ رکھا تو ہوا دل کو ملال — آگیا شمر سے ظالم کے طمانچوں کا خیال
لطف اور مہر کی باتوں میں لگایا شہ نے
دستِ معصوم سے دامن کو چھڑایا شہ نے

سامنے زوجۂ عباسؑ تھی با حالِ خراب — پاس جا کے یہ کیا سبطِ پیمبرؐ نے خطاب
سر اُٹھاؤ کہ مجھے تم سے خود آتا ہے حجاب — زندگی بھر میں دیا آج یہ چپکے سے جواب
کہہ گئے ہیں کہ ولی ابنِ ولی ہیں مالک
تمکو کیا فکر حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں مالک

آپ فرماتے ہیں جاتا ہوں سوئے ملکِ عدم — اب سہارا تھا فقط آپ کا یا شاہِ امم
وہ گئے جانبِ فردوس مجھے دے کے الم — آپ کے بعد نکالوں گی جو میں گھر سے قدم

وارثی کون کرے گا میں جدھر جاؤں گی
چھوٹے چھوٹے مرے بچے ہیں کدھر جاؤں گی

اس طرف صرف تکلم تھے شہنشاہِ زماں — کہا بانو نے یہ زینب سے بصد آہ و فغاں
کیا کروں بات مرے دل میں نہیں تاب و تواں — بڑھ کے دریافت تو کیجیے مرا اصغر ہے کہاں

بے مرے جان غم و رنج سے کھوتا ہو گا
غیر کی گود میں بچہ مرا روتا ہو گا

سن کے یہ حضرتِ زینبؑ نے بصد آہ و بکا — کہا سچ کہتی ہو بھابھی یہ ہوا آخر کیا
ہوش گم ہیں مرے جب آئے شہنشاہ ہدا — میں نے خود بڑھ کے نہ کیوں بھائی سے اتنا پوچھا

سب کا دل رنج سے بانو کی طرح توڑ دیا
آپ آئے علی اصغرؑ کو کہاں چھوڑ دیا

دوڑیں یہ کہتی ہوئی سوئے شہِ نیک اساس — ساتھ بانو کو اشارے سے لیا پہونچیں پاس
کہا زینبؑ نے برادر سے بصد رنج و یاس — بھائی کیا بجھ گئی میدان میں اصغرؑ کی پیاس

دشت میں جلتی ہے لو تشنہ دہاں ہے اصغرؑ
آپ خیمے میں خود آئے ہیں کہاں ہے اصغرؑ

دیر تک سر کو جھکائے رہے خاموش امام — نرم لہجے سے کیا ہاتھوں کو مل مل کے کلام
لے گیا تھا میں پئے آب تھا تشنہ کام — مگر انصاف کا باقی نہیں دنیا میں نام

قطرۂ آب دم تشنہ دہانی نہ دیا
دودھ پیتا ہو جو بچہ اسے پانی نہ دیا

دیکھا بانو کی طرف آ گئی بے شیر کی یاد　　ہوئے کس درد سے گویا یہ شہ نیک نہاد
میں مٹا اور تمھاری ہوئی محنت برباد　　لطف یہ ہو نہ کرو تم نہ کرو دل میں فریاد
وقت پر ہوتے ہیں جو کام ہیں ہونیوالے
حشر تک روئیں گے بے شیر کو رونیوالے

کہا بانو نے ہوا کیا یہ بتا دیں شبیرؑ　　کس مصیبت میں گیا خلق سے میرا بے شیر
ہوئے اصرار سے مجبور امام دلگیر　　شہ نے فرمایا پڑا حلق پہ معصوم کے تیر
نہ بچے دشت میں ظالم کی جفا سے اصغرؑ
سامنے نہر تھی اور اُٹھ گئے پیاسے اصغرؑ

خبر مرگ سُنی جب تو ہوا دل بیتاب　　کہا دنیا سے گیا کیا مرا بچہ بے آب؟
ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے شہ عرش جناب　　مُڑ کے گہوارۂ اصغرؑ سے کیا رو کے خطاب
تو جھلاتا تھا جسے خلق میں گلفام نہیں
اے مرے لال کے جھولے ترا اب کام نہیں

کہہ کے یہ دوڑ کے خیمے میں گئی وہ نالاں　　ننھے کرتوں کو اٹھا لائی ملول و حیراں
رکھ کے ہاتھوں پہ کہا شہ سے بصد آہ و فغاں　　انکو رکھ دیجئے گا قبر پہ یا شاہ زماں
میری جاں بچے کے یہ تربت پہ چڑھا دیجئے گا
آج منت مرے اصغرؑ کی بڑھا دیجئے گا

کیا پھر دیکھ کے ہر ایک کو بانو نے کلام　　لیجئے ختم ہوئے آج سب اصغرؑ کے کام
ہو گیا عترت اطہار میں برپا کہرام　　ہوئی تاخیر جو باتوں میں تو گھبرائے امام
وقت پایا جو نہ قسمت سے زیادہ شہ نے
کیا جانے کا سوئے دشت ارادہ شہ نے

چھوڑ کے سب کو چلے صحن سے شاہِ دلگیر　　دل پہ زینبؑ کے پڑا فرقتِ مظلوم کا تیر
ساتھ بھائی کے درِ خیمہ تک آئی ہمشیر　　آج ڈیوڑھی سے برآمد ہوئے تنہا شبیرؑ
دھوپ نے دستِ شہنشاہِ امم چوم لیے
دشت سے اٹھ کے بگولوں نے قدم چوم لیے

دھوپ کی دشتِ بلا میں تھی غضب کی شدت　　کھل گیا فرق پہ مظلوم کے چترِ رحمت
قوتیں جمع ہوئیں خلق کی بہرِ نصرت　　سب سے رخ پھیر لیا واہ ری دل کی ہمت
رنج و غم آنے لگے پاس تو آنے نہ دیا
پیاس نے چاہا میں ٹل جاؤں تو جانے نہ دیا

دیکھ کے غور کی نظروں سے سوئے لشکرِ شام　　بڑھ کے رہوار کے پاس آئے شہنشاہِ انام
مطمئن تھا ہمہ تن قوتِ قلبِ اسلام　　اس قدر کام کیے تھے کہ نہ تھا کوئی کام
دل سے کہتے تھے کہ سب مر گئے فرصت پائی
بڑھ کے کہتا تھا یہ دل خوب فراغت پائی

کی نظر سوئے فلک لب کو ہلایا کئی بار　　رک گئی شوق میں سننے کو جہاں کی رفتار
ہوئی کچھ عاشق و معشوق میں ایسی گفتار　　ہو گئے رخشِ فلک سیر پہ شبیر اسوار
غل ہوا طالبِ حق جانبِ مطلوب چلا
مرنے والا طرفِ کوچۂ محبوب چلا

باگ کیا تھا اٹھا رخشِ صبا دم کا قدم　　مستعدِ وعدہ وفائی پہ ہوئے شاہِ امم
سرسری دیکھ لیا فاصلۂ فوجِ ستم　　گن لیے لشکرِ غدار میں جتنے تھے علم
کیا موحّد تھا کہ کثرت کا نہ غم مول لیا
دل کو میداں کے الٹنے کے لیے تول لیا

غیب سے آئی فرشتوں کو اُدھر یہ آواز — عبد و معبود میں آیا ہے دمِ راز و نیاز
آج مقتل میں دکھائے گی محبت اعجاز — آتا ہے منزلِ مقصود پہ میرا جانباز

دل عاشق کی نکلتی ہے تمنا دیکھو
سب کے سب عشقِ حقیقی کا تماشا دیکھو

امتحاں کو نہ کہے کوئی کہ کیا مشکل ہے — صبر کا نام ہے آسان بڑا مشکل ہے
اتنا مضبوط ارادہ یہ ذرا مشکل ہے — وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے

مستقل بات کا قدر نے نہ پایا اب تک
کون اس شان سے دربار میں آیا اب تک

امتحاں گاہ میں سب آ گئے نبی اور ولی — ایک نے ہم سے سند منزلِ آخر کی نہ لی
ہو گئے رازِ وفاؤں کے زمانے پہ جلی — سرِ حدِ صبر سے آگے ہے حسینؑ ابن علیؑ

عقل عالم کی نہ پہونچے یہ وہاں تک پہونچا
انتہا ہے کہ خدائے دوجہاں تک پہونچا

خلق میں نام یہ ذی جاہ کئے جاتا ہے — دمبدم ہم سے سوا چاہ کئے جاتا ہے
آہ کرنے کی جگہ واہ کئے جاتا ہے — شکر بھی صبر کے ہمراہ کئے جاتا ہے

آج دریا جو محبت کے بہے جاتے ہیں
ہم بھی آواز پہ لبیک کہے جاتے ہیں

ایسا پابند ہے وعدے کو وفا کرتا ہے — جو حدِ حق ہے سوا اُس سے ادا کرتا ہے
کون اس طرح سے سر نذرِ خدا کرتا ہے — امتحان اور ابھی لے یہ دعا کرتا ہے

غم یہ غم داغ دل و زخم جگر کھاتا ہے
کامیابی کی خوشی ہے تو ہنسے جاتا ہے

پیاس میں مر کے نہ دیکھا سوئے دریا ابتک — صبح سے رنج اُٹھائے ہنیں کیا کیا ابتک
نہ کیا بھول کے اظہار تمنّا ابتک — منتظر ہم رہے خود اُس نے نہ مانگا ابتک

اپنی مرضی سند وعدہ وفائی دیدی
ہمنے انعام میں بندے کو خدائی دیدی

غیب کی سُنکے صدا خوش ہوئے شاہنشہ دیں — عرض کی تیرے سوا کوئی مددگار نہیں
عزت افزائے جہاں خالق افلاک و زمیں — تیری امداد سے آنے کو ہے وہ وقت قریب

حشر تک پھر نہ کروں بات جو خاموش ہوں میں
بار سے وعدۂ طفلی کے سُبک دوش ہوں میں

دل بڑھا تو، میں سہوں ظلم، بڑا لطف آئے — کٹے شہرگ مری رگ رگ سے لہو بہہ جائے
کروٹیں نزع میں یوں لوں کہ زمیں تھرائے — کیوں نہ ہر کام بنے تو جو کرم فرمائے

میری ہر بات پہ تو ناز کیئے جا مالک
میری آواز پہ آواز دیئے جا مالک

حلق پر جب ہو چھری ہو رہا ہو کام تمام — لے رہا ہوں میں دم نزع ترا نام بنام
التجا ایک ہے تجھ سے مرے ربّ علام — جوش میں آئے نہ اُس وقت تری رحمت عام

میری شہرگ سے کرم تیرا الگ ہٹ جائے
آج تو لطف یہی ہو کہ گلا کٹ جائے

خوف سے چار طرف بیک یہ چلاتے ہیں — بھائیو شیر سے ہشیار رہو ہم اب جاتے ہیں
دشت میں قہر الٰہی کا سماں پاتے ہیں — حق سے کرتے ہوئے باتیں شہ دیں آتے ہیں

اِن کے ہاتھوں حق و باطل کی جدائی ہوگی
ہے خدا ساتھ قیامت کی لڑائی ہوگی

حق سے کہتے ہوئے جاتے تھے امام ابن امام — شیر کی طرح رواں تھا فرس نیک انجام
لائی آمد شہ والا کی قضا کا پیغام — سن کے ٹاپوں کی صدا کانپ گیا لشکر شام
راستہ کٹ گیا باتوں میں وہ تنہا پہونچا
سالک مرضی حق بڑھ کے قریب آ پہونچا

سامنے فوج کے پہونچا جو علیؑ کا دلدار — روک کے رخش فلک سیر صدا دی یکبار
تجھ کو آگاہ میں کرتا ہوں سپاہ غدار — جان دینے کا ارادہ ہے دکھا کے پیکار
یہ نہ کہنے کو ہو تا حشر کہ رن پڑ نہ سکا
سب لڑے خوب مگر جان علیؑ لڑ نہ سکا

حق پہ ہوں حق پہ نظر ہو مرا مسلک ہے حق — آسمان اور زمیں کے میں ہلا دونگا طبق
شل پتے کے الٹ دونگا میں عالم کا ورق — حق مرے ساتھ ہے میں تابع مرضی حق
کہیں رکے ہوئے احکام خدا ٹلتے ہیں
ملک الموت اشاروں پہ مرے چلتے ہیں

اپنے وعدے کا ہوں میں روز ازل سے پابند — ہے فنا میری بقا مجھکو تباہی ہے پسند
جو دم صبح تھی وہ پیاس ہے اس دم دہ چند — تم نے گر راہ کو پانی کی کیا مجھ پر بند
اسکی رحمت نے مجھے گھیر لیا یاس نہیں
پیاس اس حد پہ آ گئی کہ مجھے پیاس نہیں

آئے نصرت کو فرشتے نہ کیا میں نے خیال — جن مدد کرنیکو کہتے تھے کیا رد سوال
قوت دل کا دکھانا تھا مجھے سب کو کمال — جب مرا لال ہوا خون سے ہاتھوں پہ لال
میری امداد کو سب آئے تھے ٹالا میں نے
تیر خود گردن اصغر سے نکالا میں نے

سرنگوں ہو نہیں سکتا مرے لشکر کا علم
وہ فنا کی ہو بقا، یا کہ ہو ہستی کا عدم

کارناموں کا نہ تا حشر اثر ہوگا کم
میری آواز پہ لبیک کہے گا عالم

رند مے پیتے ہیں سب ایک ہی پیمانے میں
قید مذہب کی نہیں ہے مرے افسانے میں

اہل دانش کو کبھی زر نہیں ہوتا درکار
شان و شوکت کو سمجھتے ہیں ہمیشہ بیکار

اس ترقی کو یہ سمجھو کہ ہے دو دن کی بہار
گل رہیں گے نہ ثمر اور نہ رہے گا گلزار

باغباں روئے گا بلبل کی فغاں سے پہلے
آگ لگ جائے گی گلشن میں خزاں سے پہلے

بندۂ عشق کو اُلفت کا مزہ آتا ہے
رنج و تکلیف میں راحت کا مزہ آتا ہے

صاف دل ہو تو محبّت کا مزہ آتا ہے
تشنگی میں مے جنت کا مزہ آتا ہے

یوں تو رکھتا ہے ہر اک شئے کو یہ پانی زندہ
مجھ کو رکھے گی مری تشنہ دہانی زندہ

آپ پڑھتے تھے رجز فوج میں تھا سنّاٹا
کہ بن سعد نے دی بڑھ کے یہ حضرت کو صدا

آپ میں جنگ کی قوت نہیں یا شاہ ہدا
صلح کا وقت ہے اب بھی نہ کریں آپ دغا

آپ کی وجہ سے محبوس ستم بچ جائیں
آج لٹنے سے پیمبرؐ کے حرم بچ جائیں

سن کے یہ جوش حسین ابن علیؑ کو آیا
تشنہ لب غیظ میں کانپا تو فلک تھرّایا

سُرخ آنکھیں جو ہوئیں لشکر شر گھبرایا
دیکھ کے سوئے بن سعدِ شقی، فرمایا

ہوگی تائید زمانے کی مرے نام کیساتھ
حشر تک ذکر رہے گا مرا اسلام کیساتھ

کہہ کے یہ سبطِ نبی ہو گئے آمادۂ جنگ — گھل گئی ابن ید اللہ کو لڑائی میں درنگ
داغِ غم ہو گئے معدوم بڑھی دل کی اُمنگ — دیکھ کے غیظ سمٹ کے چھپے ترکش میں خدنگ

خوف شبیرؑ کے میدانمیں الم اُٹھنے لگے
دل اُٹھا شاہ کا لشکر کے قدم اُٹھنے لگے

لے کے میدان میں مانندِ علیؑ انگڑائی — آستیں آپ نے اُلٹی تو زمیں تھرّائی
ہاتھ قبضہ پہ گیا فوجِ ستم گھبرائی — تیغ ارمان بھری میاں سے باہر آئی

جنگِ آخر کو دلِ بیکس و ناچار اُٹھا
غُل ہوا فوج پہ دستِ شہِ ابرار اُٹھا

جا پڑا فوج پہ غصے میں علیؑ کا دلدار — خون میں ڈوب گئی تشنہ جگر کی تلوار
سرِ کفار اُچھلنے لگا رن میں رہوار — ہوئیں جسموں سے نکل جانیکو روحیں تیار

روکنے کو نہ رسالے نہ علمدار بڑھے
جب بڑھے دشت میں شاہنشہِ ابرار بڑھے

کر دیے صاف پرے اُٹھ کے جھکی جب تلوار — کہیں اسوار تڑپتے تھے کسی جا رہوار
ایک پر ہاتھ پڑا مر گئے ڈر ڈر کے ہزار — خوف سے رن میں لرزتا ہوا اُٹھتا تھا غبار

تھی صدا ازدر کی ہاتھوں کی صفائی دیکھی؟
پیاس کہتی تھی کہ پیاسے کی لڑائی دیکھی؟

جنگ سے ہو گئے مجبور شہِ عرش وقار — ضعف سے ہو گیا رہوار پہ تھمنا دشوار
فرق پر ایک شقی نے جو لگائی تلوار — گر پڑے رخش سے تیورا کے امامِ ابرار

اہلِ عرش اہلِ جناں اہلِ فلک دوڑ پڑے
روکنے کو شہِ صابر کے ملک دوڑ پڑے

گو عجب حال میں تھے بادشہ نیک اساس
خاک پر گر کے بھی باقی تھے مگر ہوش و حواس
دی یہ آواز مجھے خاک نہیں خوف و ہراس
دیکھ جبریل اب اس وقت نہ آنا مرے پاس

صبر اور ظلم کے بہتے ہوئے دریا دیکھو
دُور سے آج کھڑے ہو کے تماشا دیکھو

واہ ری ہمت دل جرأت شاہ جمہور
دی صدا کوئی نہ روکے رہیں سب سے دُور
مدد غیر کا طالب نہیں گو ہوں مجبور
جز خدا ایک کی نصرت نہیں مجھ کو منظور

اب ارادہ طرف ملک عدم ہے میرا
امتحاں گاہِ محبت میں قدم ہے میرا

میرے معبود کی مرضی ہے کہ میں ظلم اٹھاؤں
تیر پر تیر پڑیں جسم پہ تلواریں کھاؤں
وہ مرے صبر کو دیکھے میں اُسے صبر دکھاؤں
سُرخ رو آج میں دربار میں لے کے جاؤں

دے یہ آواز محبت سے بلانے والا
اس طرح ایک بھی آیا نہیں آنے والا

دیکھ کے جد کی طرف کہتے شاہنشہ دیں
آپ کیوں روتے ہیں مجکو کوئی تکلیف نہیں
ہمہ تن چور ہیں زخموں سے ہوں جلتی ہے زمیں
لیکن اسلام کے کرتا ہوں مکمل آئیں

رائگاں ہو نہیں سکتی کبھی محنت میری
کلمہ پڑھوائے گی غیروں سے شہادت میری

اُس طرف خاک پہ گھوڑے سے گرے شاہ ہدا
فوج کے غل سے ہوا دشت میں اک حشر بپا
اس طرف حضرت زینبؑ نے یہ فضہؑ سے کہا
دیکھ آتی نہیں کیوں بھائی کے نعرہ کی صدا

خبر بیکس و مظلوم ذرا لے فضہؑ
آ سکیں گر تو اشارے سے بلا لے فضہؑ

دیکھ کے غم کے سبب غیر تھا فضہؑ کا حال
خود بھی کرتی تھی محبت ہوئی بیتاب کمال
نکلی گھبرائی ہوئی خیمہ سے کھولے ہوئے بال
دیکھا گھوڑے پہ نہیں بادشہ نیک خصال

شاہ دیں بیچ میں تھے بانی کیں گھیرے تھے
لال کو فاطمہ زہرا کے لعیں گھیرے تھے

دیکھ کے دور سے یہ حال شہ جن و بشر
گئی دوڑی ہوئی خیمے میں بحال مضطر
جا کے دی حضرت زینبؑ کو یہ رو رو کے خبر
خاک پر شاہ ہیں گھیرے ہوئے ہیں بانی شر

کوئی مظلوم کا ہمدرد بجز یاس نہیں
ایک غربت کے سوا اور کوئی پاس نہیں

سن کے یہ حضرت زینبؑ کا ہوا حال خراب
نکلیں خیمے سے تڑپ کے کہ ہوا دل بیتاب
پھر بھی غیرت کے سبب ڈال لی چہرہ پہ نقاب
دیکھ کے چرخ کی جانب یہ کیا حق سے خطاب

بات بگڑی ہوئی ہم سب کی بنا دے مالک
دشمنوں سے مرے بھائی کو بچا دے مالک

اس طرف زینبؑ بی جا کے چلیں خاک بسر
اُس طرف شمر چلا ہاتھ میں لے کے خنجر
کشمکش میں تھے عجب بادشہ جن و بشر
کبھی گھبرا کے ادھر دیکھتے تھے گاہ ادھر

سر کھلے دشت میں زینبؑ جو چلی آتی تھی
شاہ کے صبر کی حد ختم ہوئی جاتی تھی

خاک پر ضعف سے لیٹے تھے شہ نیک خصال
منتظر شمر کے تھے شوق شہادت تھا کمال
روح فرسا تھا مگر پردۂ زینبؑ کا خیال
نزع میں پیاس سے گو غیر تھا شبیرؑ کا حال

ہاتھ سے کار زباں آپ لیے جاتے تھے
رن میں آنے کے لیے منع کیے جاتے تھے

لیجیے اور قیامت میں قیامت آئی — شمر ادھر آگیا نہ دیکھ زمیں تھرائی
رنج سے خواہر مضطر جو بہت گھبرائی — سامنے آ گئے یہ چلاتی کہ بھائی بھائی

گو بہت حال تھا تغیر مگر بیٹھ گئے
اٹھ کے جلدی سے شہ جن و بشر بیٹھ گئے

دیکھ کے یاس کی نظروں سے کہا اے خواہر — جلد خیمے میں پلٹ جاؤ برائے داور
کس لیے آ گئیں میدان میں تم خاک بسر — شمر پھیرے گا ابھی حلق پہ میرے خنجر

جس گھڑی فرق جدا جسم سے میرا ہوگا
کس طرح جاؤ گی خیمے میں اندھیرا ہوگا

جوڑ کر ہاتھ یہ زینبؑ نے کہا میں قرباں — آپ کو چھوڑ کے اس وقت میں جاؤں گی کہاں
قتل کا شمر کرے گا جو ارادہ اس آں — آپ کے حلق پہ رکھ دوں گی گلا میں حیراں

اسد اللہ کی بیٹی ہوں نہ گھبراؤں گی
آپ سے پہلے میں دنیا سے گزر جاؤں گی

ہوا آمادہ ادھر قتل پہ جب شمر بے پیر — قبلہ رو لیٹ گئے خاک پہ شاہ دلگیر
یاس سے دیکھ کے خواہر کو یہ بولے شبیرؑ — اے بہن جلد پلٹ جاؤ نہ ہو اب تاخیر

دشت میں آج قیامت کا سماں دیکھو گی
کس طرح حلق پہ خنجر کو رواں دیکھو گی

ہو گئیں حکم سے مجبور جناب زینبؑ — پلٹیں کہتی ہوئی خیمے کی طرف ہائے غضب
نہ کیا شمر ستمگر نے شہ دیں کا ادب — وہ شقی سینے پہ بیٹھا تو بڑھا شہ کا تعب

حلق سے تیغ ملی وعدہ وفا کرنے لگے
لب ہلے بخشش امت کی دعا کرنے لگے

تیز خیمے کی طرف جاتی تھیں زینبؑ ناکام — دیکھ لیتی تھیں کبھی مڑ کے سوئے شاہِ انام
کہ ہوا کام یہاں سبطِ پیمبرؐ کا تمام — آئی آواز نبیؐ ہو گیا زندہ اسلام

رنجِ زہراؑ و یداللہ کو دے کے اٹھا
سرِ شبیرؑ شقی سینے سے لے کے اٹھا

ابھی خیمے میں نہ پہونچی تھی علیؑ کی دلدار — آندھیاں آئیں ہوئے حشر کے سارے آثار
بولے جبریلؑ ہوئے قتل امامِ ابرار — آ گئی دوڑ کے در تک نہ رہا دل کو قرار

دی یہ بانو کو صدا پیاس کے مارے بھائی
چھوڑ کے رب کو سوئے خلد سدھارے بھائی

ہے مہذبؔ ہوسِ زر نہ تمنائے کمال — نہ یہ مقصد ہے ملے رشکِ جہان جاہ و جلال
اب خیالات کا ہے روحِ رواں ایک خیال — دیکھ لوں روضۂ شبیرؑ کا پھر نورِ جمال

دل میں ہے شوقِ سفر رہبرِ منزل جاؤں
وہیں اللہ کرے خاک میں میں مل جاؤں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا مرثیہ
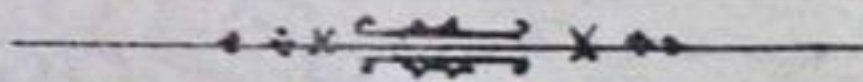
در حال حضرت حُر علیہ السلام روحی لہٗ الفداء

یہ مرثیہ میری زندگی کا تیسرا مرثیہ ہے جس پر حضرت مودبؔ رحمۃ اللہ کی اصلاح ہے۔ سب سے پہلے حسینیہ جناب ناظم صاحب مرحوم میں سنہ ۲۹ھ میں پڑھا گیا انتہائی کامیابی پر جناب محمد اختر صاحب اور سجاد مرزا عرف منے آغا صاحب نے امام باڑہ سے گھر تک تقریباً ساٹھ روپیہ تصدق کیے تھے۔ اب تک اس مرثیہ کے بعض مصرعے زبانوں پر ہیں مثلاً

سوئے پستی گیا بہتے ہوئے پانی کی طرح — واں سے پلٹا تو زلیخا کی جوانی کی طرح

حیدرآباد دکن میں جب پڑھا گیا تو مبلغ سو روپیہ تصدق کیے گئے۔ مجھے یقین ہے کہ ممدوح نے قبول فرما لیا

مطلع

گل سے بلبل کی جدائی بھی غضب ہوتی ہے

بند ۱

گل سے بلبل کی جدائی بھی غضب ہوتی ہے — غم سے راحت کے بدلنے کا سبب ہوتی ہے
باعث درد و غم و رنج و تعب ہوتی ہے — دن سے تکلیف سوا ہجر کی شب ہوتی ہے

یاد گل جب قفس تنگ میں تڑپاتی ہے
باغ تک نالۂ بلبل کی صدا جاتی ہے

مستعد ظلم پہ گلزار میں صیاد ہوا — آگئی دام میں بلبل تو بہت شاد ہوا
پر کتر ڈالے جو دل مائل بیداد ہوا — باغ تقدیر سے چھوٹا تو قفس آباد ہوا

یاد گلشن کی نہ بلبل کو فراموش ہوئی
شمع دل خانۂ صیاد میں خاموش ہوئی

گھر میں صیاد کے آتے ہی بڑھی حیرانی — وحشتِ دل نے کیا زور ہوئی دیوانی
قلزمِ گریۂ بلبل نے یہ کی طغیانی — اس قدر روئی کہ دل ہوگیا پانی پانی

روح تا چشم جو کھنچ آئی یہ مشکل ٹھہری
کشتیٔ عمر دو روزہ سرِ ساحل ٹھہری

کہتی ہے چھوڑ دے صیاد کہ بیمار ہوں میں — حدِ جفاؤں کی نہیں جان سے بیزار ہوں میں
اب کہاں قوتِ پرواز گرفتار ہوں میں — بے پری صاف بتاتی ہے کہ ناچار ہوں میں

آتشِ فرقتِ گل یوں مجھے تڑپاتی ہے
جب کلی کوئی نکلتی ہے تو جل جاتی ہے

اب تو صیاد مرے دل کو نہیں صبر و قرار — باغ میں رکھ دے قفس جا کے برائے غفار
میری قسمت جو چمن میں نہ ہوئی فصلِ بہار — دیکھ لوں گی میں ان آنکھوں سے خزاں کے آثار

یادِ محبوب میں منھ اشکوں سے دھو آؤں گی
ہوگی تسکین ذرا دل کو جو رو آؤں گی

رحم آیا تو یہ صیاد نے نرمی سے کہا — خیر جانے سے وہاں اور بھی صدمہ ہوگا
کیا بتاؤں کہ نہیں فصلِ بہاری کا پتا — گل تو گل نام کو گلشن میں نہیں اب کانٹا

اہلِ محفل ہیں نہ ساقی ہے نہ میخانہ ہے
خاک اڑ اڑ کے یہ کہتی ہے کہ ویرانہ ہے

لیچلا کہہ کے یہ صیاد جو سوئے گلشن — خوش ہوئی بلبلِ ناشاد بڑھا شوقِ چمن
شمعِ دل بجھ گئی تھی جو وہ ہوئی پھر روشن — ہوگئی پیشِ نظر صورتِ نسرین و سمن

یاد آیا وہ زمانہ کہ بہار آئی تھی
ہم تھے گلزار تھا اور پھولوں سے یکجائی تھی

راستے ہی میں مسرت کے عیاں تھے آثار — دُور سے دیکھ رہی تھی جو چمن کے اشجار

چہرۂ زرد پہ آتی تھی بحالی ہر بار — دُور افتادہ تھی برسوں سے نہ تھا صبر قرار

گل کے دیدار کا رہ رہ کے خیال آتا تھا

یہ مسرت تھی کہ دل پھول ہوا جاتا تھا

دل سے کہتی تھی ذرا ہو تو گلستاں میں گذر — اپنے پھولوں سے کرینگے یہ شکایت رو کر

قید میں مر گئے ہم تم نے نہ لی کچھ بھی خبر — ہائے پرواز کی طاقت نہیں کاٹے گئے پر

چمنِ دہر سے اب ہم تو ہیں جانے والے

تم سلامت رہو عاشق کے ستانے والے

آج سنبل سے بھی ہو جائیگی مجھ سے اُلجھن — بند کر دونگی زباں بڑھ کے جو بولی سوسن

دخل دیگا جو مری بات میں گلچینِ چمن — ہوں تو ذرہ میں ہلا دوں گی زمینِ گلشن

باغباں بولا تو کہہ دونگی کہ کیا کرتی ہوں

مجھ کو اپنوں سے شکایت ہے گلا کرتی ہوں

سیر کو فصلِ بہاری میں اگر جاتی تھی — گل ہزاروں ہی نشیمن کے لیئے لائی تھی

جب کبھی حرفِ شکایت کوئی سُن پاتی تھی — باغباں کو یہی کہہ کہہ کے میں سمجھاتی تھی

قلبِ نازک کو ہر اک بات چھری ہوتی ہے

کیا کروں میں کہ لگی دل کی بُری ہوتی ہے

باغباں باغ میں رہنے سے ہے میرے زینت — ذات سے میری جہاں میں ہے چمن کی شہرت

مُشتِ پر ہوں مگر اللہ نے دی ہے ہمت — باغ سے مجھ کو نکالے یہ ہے تیری طاقت

بات پھیلاؤں تو گلزار میں آفت کر دوں

آگ لگ جائے جو لالے سے شکایت کر دوں

واہ وا گُل کے قریں جاتے ہی بدلے تیور پھُول کیوں چھوتی ہے نکلا یہ بال سے کیونکر
ہے یہ انساں کو لازم نہ ہو حد سے باہر صاف کہتے ہیں ہمیں خاک نہیں تیرا ڈر

خلق خالق نے کیا ہے ہمیں گلشن کے لیے
پھُول لیجائیں گے سو بار نشیمن کے لیے

باغ بھر میں اِدھر آئیں گے اُدھر جائیں گے پھُول لائے بھی تھے لائے بھی ہیں اور لائیں گے
ہجرِ گل ہوگا تو ہم زیست سے گھبرائیں گے شان اللہ کہ آپ اب ہمیں سمجھائیں گے

بند دنیا کے ہمارے لیے کیا رستے ہیں
ہم کو جب پھُول بساتے ہیں تو ہم بستے ہیں

عیبِ دنیا میں نہیں گل سے محبت کرنا دخل کس واسطے تو نے مری باتوں میں دیا
بے خطا دکھ کو ستانا یہ نہیں ہے اچھا سن ذرا غور سے کہتی ہے فنائے دنیا

غم و آرام بھی دو روز کے ہیں جانے دو
جس طرح جب کی گذرتی ہے گذر جانے دو

خوفِ صیاد تھا کرتی تھی نہ بلبل فریاد راہ میں عیش و طرب آتے تھے رہ رہ کے یاد
اُڑ رہا تھا دلِ بیتاب نہ تھی خود آزاد دفعۃً لے کے قفس باغ میں پہونچا صیاد

کھل گئے غنچہ و گل بادِ بہاری آئی
بولے طاؤس کہ بلبل کی سواری آئی

کٹ گئے ہجر کے دن رنگِ زمانہ بدلا ہوں گے اب عاشق و معشوق چمن میں یکجا
دیکھ کے گل کو دگرگوں ہوا عالم دل کا وصل کے شوق نے جب جلد سے سو تڑپایا

بولی بلبل کہ عجب حال ہے گھبراتی ہوں
دیکھ صیاد میں اب گل کے قریں جاتی ہوں

کہہ کے یہ سر کو جو بلبل نے قفس میں ٹپکا   زلزلے آئے شجر کانپے چمن ہلنے لگا
جورِ صیّاد سے گلشن میں ہوا حشر بپا   قوّتِ نالۂ بلبل سے قفس ٹوٹ گیا
آیا صیّاد کو غش دل کی تمنّا نکلی
چھوٹا ہاتھوں سے قفس بلبل شیدا نکلی

گو کتر ڈالے تھے صیّاد نے بلبل کے پر   عشق کے زور میں نزدیک جو پہونچی اُڑ کر
شوق میں پھول کو بس لے کے پروں کے اندر   آگیا پیار تو منھ رکھ دیا جھک کے منھ پر
واں بلبل نے جو رخسارِ گلِ تر چومے
حُر نے یاں آتے ہی پائے شہِ صفدر چومے

تھا نہ عاشور کا دن روزِ قیامت سے کم   گھر گئے تھے سپہِ ظلم میں سلطانِ امم
اُس طرف دشت میں سیراب تھی سب فوجِ ستم   اِس طرف پیاسے تھے شبیر مع اہلِ حرم
تاب دل کو نہ رہی جانبِ سرور آیا
نصرتِ شہ کے لیے حُرِّ دلاور آیا

جوڑ کے دستِ ادب حُر ہوا شہ سے گویا   آپ واقف ہیں کہ تھا فوج کا مجھ پر نرغا
لاکھ طوفانِ بلاخیز نے مجھ کو روکا   بحرِ اُلفت نے مرے بڑھتے ہی توڑا اُسکا
بہرِ رب عفو ہو تقصیر کہ مجبوری تھی
شاہِ دیں چین نہ تھا دل کو بہت دوری تھی

ہجر میں آپ کے کیا کیا سرِ بستر تڑپا   بڑھ گیا طولِ شبِ غم دلِ مضطر تڑپا
شاہِ دیں آپ تو آگاہ ہیں کیونکر تڑپا   سانس اب تک نہیں قابو میں میں شب بھر تڑپا
یادِ گلزارِ پیمبر میں نہ چین آتا تھا
طائرِ جاں قفسِ تن سے اُڑا جاتا تھا

عمر میں ایک قیامت کی شبِ تار ہوئی زندگی صبح کی امید میں دشوار ہوئی
مجھ پہ کیا کیا نہ مصیبت شہِ ابرار ہوئی چلتے چلتے پسرِ سعد سے تکرار ہوئی
چل پڑی تیغِ زباں تیغِ شرر بار چلے
دیجیے بہرِ خدا اذن کہ تلوار چلے

بولے شبیرؑ دل آزار ہیں یہ دشمنِ دیں چین مہمان کو لینے نہیں دیتے ہیں لعیں
پانی بھی تشنہ دہانوں کے مقدر میں نہیں خیمے پیاسوں کے نہ رہنے دیئے دریا کے قریں
کچھ نہیں رنج اگر موردِ آفات ہیں ہم
صبر حصہ میں ہمارے ہے کہ سادات ہیں ہم

سب مجھے سمجھے ہیں مجبور مگر ہوں مختار آج چاہوں تو ہو اس دشت میں رہنا دشوار
فوج کو تیغ سے میری نہ ملے راہِ فرار مرنے کی غرض ہیں آمادۂ جفا پر کفار
ہو یہ احسان کہ میداں کی اجازت مل جائے
یوں لڑوں آج کہ مقتل کی زمیں ہل جائے

دشت میں منتظرِ جنگ ہے سب فوجِ ستم بیکس دیتے ہیں یہ بڑھ بڑھ کے صدائیں پیہم
آئے لڑنے کو کوئی تول کے شمشیرِ دو دم سن کے یہ فرقِ مبارک کو کیا شاہ نے خم
نئے انداز سے مہمان کو رخصت دیدی
یہ اشارہ تھا کہ میدان کی اجازت دیدی

عشق اور عشق بھی کامل تھا ثمر کر کے رہا شبِ فرقت کی زمانے میں سحر کر کے رہا
وصلِ محبوب کی دنیا میں خبر کر کے رہا جو نظر میں تھا وہ الفت کی نظر کر کے رہا
عشق خالص تھا محبت کا صلا لیکے چلا
اپنے محبوب سے مرنے کی رضا لیکے چلا

جوش میں حُر نے کیا مُڑتے ہی رہوار طلب — حکم کی دیر تھی بس سامنے آیا مرکب
کر کے تسلیم شہِ دیں کو بہادر بادب — زینتِ رخش ہوا فخرِ دلیرانِ عرب
آستینوں کو چڑھا کے سوئے لشکر دیکھا
پسرِ سعد کے خیمے کو مکرر دیکھا

باگ لی غیظ میں اسپِ حُرِ جانباز چلا — فوجِ اعدا کو دکھاتا ہوا انداز چلا
یہ بھی رہوار کی خوبی سے سرافراز چلا — تھا حسینوں میں جو ممتاز بصد ناز چلا
دل کی دنیا تہ و بالا ہوئی آفت کر دی
حُسنِ رفتار نے بڑھتے ہی قیامت کر دی

چار سو دشت میں دوڑاتے ہیں گھوڑے کفار — رن میں ہیں آمدِ غازی سے پریشاں سوار
دیدباں فوج کے دیتے ہیں صدائیں ہر بار — حشر آنے کو ہے حُر ہو چکا گھوڑے پہ سوار
رُخ اسی سمت کو ہے جان سے سیر آتا ہے
وہ شغالوں پہ جھپٹتا ہوا شیر آتا ہے

نرم چلتا ہے نسیمِ سحری کی صورت — جان لیتا ہے یہ دردِ جگری کی صورت
حُر کے رہوار میں ہے عشوہ گری کی صورت — چار سو دشت میں اُڑتا ہے پری کی صورت
ہوش اُڑاتا ہے صفوں میں وہ جدھر جاتا ہے
شیشۂ دل میں پری بن کے اُتر جاتا ہے

کبھی چمکا سرِ افلاک شرارے کی طرح — سرِ شام پہ ٹوٹا کبھی تارے کی طرح
کبھی غصّہ میں بڑھا بحر کے دھارے کی طرح — گرمیِ حُسن بڑھی اُڑ گیا پارے کی طرح
تیر سا چل کے ہر اک قلب و جگر سے گذرا
اُڑ کے مانندِ ہما حدِ نظر سے گذرا

ہمہمہ رخش کا ہے شیر دلاور کیطرح
دشت میں تیز چلا آتا ہے صرصر کیطرح
گہہ بگڑتا ہے تو بگڑے ہوئے تیور کیطرح
بن کے چلتا ہے کبھی حُر کے مقدر کیطرح
رُخ ہے دریا کا طرارہ یہی بتلاتا ہے
دوڑتا صورتِ سیلاب چلا آتا ہے

ہے کشش ابرؤں میں تیغ ہلالی کیطرح
اور کمر میں ہے لچک پھول کی ڈالی کیطرح
آگ ہے بہر عدو اسمِ جلالی کیطرح
کہیں رُکتا نہیں تصویرِ خیالی کیطرح
کفر کو معجزہ رفتار کا دکھلاتا ہے
باگ ہلنے نہیں پاتی ہے کہ اُڑ جاتا ہے

بال جنگل میں اُڑی حور کی کاکل کیطرح
چوٹیاں کھا گئیں بل گیسوئے سنبل کیطرح
فوج کی سمت بڑھا جاتا ہے دُلدل کیطرح
قدرتاً جسم میں پیدا ہے مہک گل کیطرح
دشت میں پھیل کے خوشبو یہی بتلاتی ہے
درِ شبیرؑ سے پلٹی ہوئی حور آتی ہے

جب چلا چال وہ دریا کی روانی کیطرح
خون اعدا کا کیا دشمنِ جانی کیطرح
سوئے پستی گیا بہتے ہوئے پانی کیطرح
واں سے پلٹا تو زلیخا کی جوانی کیطرح
کیوں نہ ہو صاف اشارہ یہی رفتار کا ہے
یہ فرس یوسفِ زہراؑ کے مددگار کا ہے

رن سے گھبرا کے ہر اک سرکش و خودسر بھاگا
دشت سے پھیر کے گھوڑے کو ہر افسر بھاگا
لشکرِ شام ورے درہم لرز کر بھاگا
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے محشر بھاگا
رن میں قتابوے دلِ فوج بد انجام گیا
زلزلہ بھاگ کے میدان سے تا شام گیا

دمبدم دیکھتے تھے گھوڑوں پہ اُٹھ اُٹھ کے سوار — سُن کے ٹاپوں کی صدا ہلتے تھے قلبِ کفار
آمدِ شیر کے رستے میں عیاں تھے آثار — یک بیک بیٹھ گیا خوف سے تھرا کے غبار
شکلِ ضرغام جو میداں میں جری جا پہونچا
غل ہوا فوج میں بھاگو کہ وہ حُر آ پہونچا

روک کے رخشِ فلک سیر پکارا ضیغم — اور تو سب ہیں نہیں ہے بنِ سعدِ اظلم
تشنۂ خونِ ستمگار ہے شمشیرِ دودم — آئے سردار کہ میدان میں موجود ہیں ہم
قلب میں نورِ ولائے شہِ دیں لائے ہیں
چُوم کے پائے حسین ابن علیؑ آئے ہیں

ہم نے خود چھوڑ دی سرداری فوجِ اظلم — ہے ہمیں فخر غلامی شہنشاہِ امم
ہو گئی مدِ نظر سیرِ گلستانِ ارم — صبح تک اور تھے آگاہ ہوا اب اور ہیں ہم
ہم سا جانباز جہاں میں کوئی کم نکلے گا
زانوئے ابن ید اللہ پہ دم نکلے گا

فکر میں عفوِ جرائم کی پریشاں نکلا — شکر صد شکر کہ دل کا مرے ارماں نکلا
سپۂ شام سے شکلِ مہِ تاباں نکلا — چھوڑ کے کافروں کو صاحبِ ایماں نکلا
غم ہوا دور جدا ہوتے ہی میخانے سے
مل گیا کعبہ وہیں چار قدم جانے سے

یوں رجز پڑھنے لگا عاشقِ سلطانِ انام — میں بالاعلان یہ کہتا ہوں سنے لشکرِ شام
حُر نہیں نام غلامِ شہِ دیں ہے مرا نام — میرا آغاز تھا کفر، اور مرا انجام اسلام
چھوڑا باطل کو ملی حق کی حمایت میں نے
ابھی کی ہے شہِ مظلوم کی بیعت میں نے

کیا چھپاؤ گے مجھے حال یہ معلوم ہے سب
کسقدر روم کے ہیں کتنے عجم کتنے عرب
لائی ہے سیکڑوں کو رن میں فقط زر کی طلب
سامنے سبط پیمبرؐ ہیں مگر کیا مطلب
گو ہی منھ حق کیطرف حق سے یہ منھ موڑے ہیں
چند درہم کے لیئے دولت دیں چھوڑے ہیں

مل گیا اذن وغا آج مرا دل ہوا شاد
میری تقدیر پہ نازاں ہے مری آکے مراد
رن میں کر دوں گا ادا حق شہ نیک نہاد
آج تک جنگ کی اسوقت کروں گا میں جہاد
میرے دلمیں جو ہے حسرت نہ کہیں نکلے گی
شہ کو روکا تھا جہاں روح وہیں نکلے گی

دل ہو پہلو میں تو دم عشق کا بھرنا دیکھو
بیٹھ کے بحر محبت میں اُبھرنا دیکھو
کس خوشی میں مرا دنیا سے گذرنا دیکھو
زندگی کفر کی اسلام پہ مرنا دیکھو
دلکش بزم جہاں آج کا قصہ ہو گا
حق وا انصاف کے دل پر مرا قبضہ ہو گا

سامنے تشنہ دہن کے میں گیا جب سیراب
کیا بتاؤں کہ ہوا شرم سے کتنا آب آب
اسقدر خشک ہوئے ہیں لب جاں بخش جناب
مجھ سے ہر بات میں فرمایا ہے رُک رُک کے خطاب
قوت صبر دلی ابن ولی کے صدقے
کیا تحمل ہے حسین ابن علیؑ کے صدقے

چلا دو گام جو میں طے ہوا یوں راستا
حق کا رستہ نہ تھا، تھا خلد بریں کا رستا
میری قسمت نے بہت خوب نکالا رستا
تھا میں کج راہ پہ رستہ بدل گیا سیدھا رستا
دل میں تھا عشق شہ صابر و شاکر پہونچا
کر کے بند آنکھوں کو منزل پہ مسافر پہونچا

ترکِ اولیٰ پہ فقط خلد سے نکلے آدمؑ — میں خطا وار چلا ہوں سوئے گلزارِ ارم
مجھ پہ ہے اس رحمتِ باری کا ہوا لطف و کرم — جس کا ہر قصد ہو مرضیٔ خدائے اکرم
بن کے خیاط ملک عزّ و شرف پاتا ہے
وہی ہوتا ہے جو کچھ منھ سے نکلجاتا ہے

دل کا ہے قول کہ الفت کا میں کاشانہ ہوں — جذب کی مے سے چھلکتا ہوا پیمانہ ہوں
عشقِ شاہنشہ کونین میں دیوانہ ہوں — شمع سے دور جلے جو میں وہ پروانہ ہوں
حشر تک ذکر ہو ایسی سحر عید ہوں میں
داستانِ شہ مظلوم کی تمہید ہوں میں

دوست پہلے تھا پر اب اپنا مقابل سمجھو — میرے پہلو میں ہے دل اب اسے دل سمجھو
اپنی اور میری الگ آج سے منزل سمجھو — ہوں گا مقتول مگر تم مجھے قاتل سمجھو
حق ادا خلق سے جانیکا میں کر جاؤں گا
موت بھی ناز کریگی جو میں مر جاؤں گا

پہلے کچھ اور تھی پر اب اور ہے عزت میری — مجھ کو آقا کی ہے آقا کو محبت میری
جو سلیماں کی تھی قسمت وہ ہے قسمت میری — آج سے ملکِ خدا پر ہے حکومت میری
جس کا ممکن ہی نہیں خلق میں ہونا ہو جائے
ہاتھ مٹی کو لگا دوں تو وہ سونا ہو جائے

میری تائید کئے جاتی ہے رب کی قدرت — اب تو بنتی ہی چلی جائے گی میری قسمت قسمت
مجھ مرے نام کے دو ہو گئے حُر اور نصرت — ہوں خطاوار پہ معصوم کی میں ہوں حجت
مجھ کو دنیا یہ کہے گی کہ وہ کد کیوں کرتا
شاہ مظلوم نہ ہوتے تو مدد کیوں کرتا

مجھ سے بیدرد سے شبیرؑ نے دُکھ پایا ہے
میں وہ ہوں گھیر کے بن میں جو انھیں لایا ہے
کیا کہوں پھر جو کرم شاہ نے فرمایا ہے
جس پہ دنیا نہ ترس کھائے ترس کھایا ہے

میرے انجام پہ زوتی تھیں جفائیں میری
ہنس کے بخشیں مرے آقا نے خطائیں میری

آئے دنیائے محبت میں سبھی نیک و بد
ایک میں وہ ہوں پڑے گی نظرِ رشک و حسد
عشق کامل ہے تو تکمیل میں کیونکر نہ ہو کد
موت میری ہے وفاؤں کی جہانیں سرحد

شمع کو سوں نظر آئے گی نہ پروانے کو
کوئی دہرا نہ سکے گا مرے افسانے کو

حُر ہوں اور حُر بھی وہ حُر ہوں جو غلامِ شبیرؑ
حسن پر ناز کناں ہے مری نیکی تقدیر
انقلابات کی اللہ یہ حسنِ تاثیر
آج ملتی نہیں مجھ سے مری کل کی تصویر

کفر پر غیظ جو آیا تو حقیقت بدلی
حسنِ اسلام نے بڑھ کے مری صورت بدلی

صبح کو سو کے اُٹھا پھر گئی قسمت میری
ہوئی شبیرؑ کے دربار میں وقعت میری
مل گئے سبطِ نبیؐ ہو گئی جنت میری
حد سے اس درجہ ترقی پہ ہے عزت میری

پھر کہیں ہجر کا مونس دلِ بیتاب ہو
میں ابھی تک یہی ڈرتا ہوں کہیں خواب نہ ہو

ناگہاں بڑھنے لگا شام و حلب کا لشکر
نصرتِ شاہ پہ باندھی حُرِ غازی نے کمر
سُن کے ٹاپوں کی صدا گھوڑے نے بدلے تیور
اُبھری کاٹھی سے نکلنے کے لئے تیغِ دوسر

آستینوں کو بصد غیظ چڑھایا حُر نے
رانوں میں داب کے رہوار بڑھایا حُر نے

نیزے تانے ہوئے آگے جو بڑھی فوج شقی　　ہاتھ قبضہ پہ گیا شیر کی تیوری بدلی
تیغ کھنچنے کی صدا اہلِ ستم تک آئی　　جامِ کوثر مجھے جلدی سے پلا دے ساقی
واں لہو فوجِ ستمگار کا تلوار پیئے
جامِ فردوس یہاں جھوم کے میخوار پیئے

ساقیا میں کوئی بیہوش نہیں ہوں ہشیار　　مجھ کو سب خلقِ خدا کہتی ہے تیرا میخوار
نہیں مینوش کو اب صبر کا یارا زنہار　　مے نہ دیگا تو چلے گی مرے دل پر تلوار
نہ ادب جس میں ہو میکش وہ بھلا کن ہوں میں
کیوں نہ تہذیب سے مانگوں کہ مہذب ہوں میں

قاسمِ رزق ہے تو اور معینُ الضعفا　　وہ ترا گھر ہے کہ جس گھر میں ستارہ اُترا
جو فقیر آ گیا حاصل ہوا مطلب اُسکا　　ایک ہم ہیں درِ میخانہ پہ دیتے ہیں صدا
کیا ہے سنتا نہیں تو بات ہماری ساقی
کب سے آواز یہ دیتے ہیں کہ ساقی ساقی

فیض کی بادۂ اُلفت کے نہیں کوئی حد　　پینے والوں کو ملی گلشنِ جنت کی سند
اپنے میخوار کی ہر حال میں کی اس نے مدد　　پہونچا اُس مے کے سبب کعبہ میں سنگِ اسود
مے اُلفت کے مراتب کوئی پوچھے ہم سے
کعبہ مسجودِ خلائق ہوا اس کے دم سے

قید سے حضرتِ یوسف کو کیا اُس نے رہا　　خوف کے وقت ہوئی موسی عمران کا عصا
حق میں یونس کے بنی لطف و کرم کا دریا　　آج تک حضرتِ عیسیٰ ہیں اسی سے زندہ
یوں تو سب کے لئے اس خلق میں سرتاج ہوئی
جس نے پی سب سے زیادہ اُسے معراج ہوئی

جسکی مشہور ہے عالم میں سخاوت وہ شراب　　نار میں بھیجتی ہے جسکی عداوت وہ شراب
دور کرتی ہے جو عصیاں کی کثافت وہ شراب　　مستند خلق میں ہے جسکی شرافت وہ شراب

پی گئے جسکو شب و روز مدینے والے
ساقیا ہم بھی اُسی مے کے ہیں پینے والے

جسکا مداح ہو خود خالق یکتا وہ شراب　　جس نے اللہ سے احمد کو ملایا وہ شراب
جس سے دل صاحب لولاک کا ٹھہرا وہ شراب　　بن گئی جو شب معراج میں پردا وہ شراب

لوح محفوظ یہ جو نور کی تحریر بنی
جو سر عرش الٰہی تری تصویر بنی

جس سے آئے گل اعمال میں خوشبو وہ شراب　　سامنے جس کے ٹھہرتا نہیں جادو وہ شراب
جو پیمبر کی ہوئی قوت بازو وہ شراب　　حشر کے روز بنے گی جو ترازو وہ شراب

دل میکش کو جو راحت دم محشر دیگی
جو مرے پلۂ عصیاں کو سبک کر دیگی

طور پر جس سے ہوئی شعلہ فشانی وہ شراب　　سنگ بھی دیکھ لے جسکو تو ہو پانی وہ شراب
بہر یعقوبؑ جو تھی یوسف ثانی وہ شراب　　جس نے پھیری ہے زلیخا کی جوانی وہ شراب

تذکرہ جس کا لہو جسم میں دوڑاتا ہے
ہاتھ باندھے ہوئے جس مے سے شباب آتا ہے

جس کا قبضہ ہو کعبہ پہ دوامی وہ شراب　　ہے دو عالم کی شرابوں میں جو نامی وہ شراب
حشر میں عاصیوں کی ہو گی جو حامی وہ شراب　　جس سے قنبر نے لکھا خط غلامی وہ شراب

ساقیا بندۂ بیدام نہ کیوں شاد رہے
پی کے مے عشق کی جب نار سے آزاد رہے

وزن میں عرش نہیں جسکے برابر وہ شراب
جس کے نشے میں فلک کھاتا ہے چکر وہ شراب
کھینچ دیتی ہے طنابوں کو جو اکثر وہ شراب
شوق میں جس کے پھرا مہر منور وہ شراب
اس طرح غش سے مینے کو شتاب آیا تھا
جس طرح ہجر سے زلیخا کا شباب آیا تھا

ساقیا قلب کی حالت کو دکھاؤں کیونکر
کربلا کا مجھے درپیش ہے اس وقت سفر
یہ رہے یاد کہ جس روز ہو قائم محشر
دوست جتنے ہیں پلانا انھیں جام کوثر
دیر سے ہوں در میخانہ پہ حاضر ساقی
اب میں جاتا ہوں خدا حافظ و ناصر ساقی

میرے قابو میں نہیں ہے دل بیتاب و حزیں
دن ہے عاشور کا دنیا نہ الٹ جائے کہیں
ارے کیا زلزلہ آیا ہے جو ہلتی ہے زمیں
گرد کھتی ہے گری رن میں صف فوج لعیں
چھڑ گئی حر سے دغا تیغ شرربار چلی
ساقیا میں نہیں کہتا تھا وہ تلوار چلی

صاف ہے برق کی تصویر جری کی تلوار
ابر بن جاتا ہے میداں میں جب اڑتا ہے غبار
جام دو ایک پلا دے مجھے جاؤں میں نثار
کر کے پسپا سپہ ظلم وہ سنبھلا جرار
غل ہوا حر غضنفر جو قضارا نکلا
ڈوب کے شام کے لشکر میں وہ پار نکلا

یا علیؑ کہہ کے بہادر نے جو پھر وار کیا
کاٹ کے سر تیغ نے جلاد کو فی النار کیا
تن کفار کو نذر سم رہوار کیا
ایک دل ہو گئے جب دو تو انھیں چار کیا
جانیں لیں خون پیا چلتے ہی آفت کر دی
حر کی تلوار نے میداں میں قیامت کر دی

اس کو مارا تو بنایا اُسے بڑھکے بسمل کر دیے چاک جگر ٹکڑے کیے شیشۂ دل
جب گلے کاٹ کے پلٹی نہ ہوئی پھر مائل زخمیوں کی یہ صدا آ رہی ہے اے قاتل
بند ہوتی ہے زباں طاقتِ فریاد نہیں
کب گلے کٹ گئے یہ بھی تو ہمیں یاد نہیں

تیغ میں حرِ غضنفر کی جو پیدا ہے لچک زخم ہیں بسملوں کے بڑھتی ہی جاتی ہے چمک
یہ کہا جس نے قیامت کی ہو تجلی میں لپک آ گئی دوڑ کے نزدیک جھپکتے ہی پلک
تن میں جب دم نہ رہا اس سے شامی کٹ مٹے
منہ ہلایا جو گلے سے تو لہو پی کے ہٹے

حسنِ رفتار نے میدان میں قیامت ڈھائی اُس کو مجنوں جو بنایا تو اُسے سودائی
سپہ شام پہ کیا کیا نہ مصیبت آئی چلنے میں جوہروں کی زلف جہاں لہرائی
تیغ نے بڑھ کے کہا فوج بد ایماں دیکھا؟
وصل کے شوق میں طول شبِ ہجراں دیکھا؟

بولی شمشیرِ جری لطفِ وغا دیکھ لیا؟ دم میں سر ہو گئے جسموں سے جدا دیکھ لیا؟
بلغ عالم میں تغیر جو ہوا دیکھ لیا؟ کھا کے تلوار کا پھل سب نے مزا دیکھ لیا؟
جس پہ مرتے ہیں اُسی کے لیے غم سہتے ہیں
آنکھیں تک پھیر لیں کیا اسکو وفا کہتے ہیں

کہتی ہے خون نہ پی لوں تو میں شمشیر نہیں نہ کشش جس میں ہو معشوق کی تصویر نہیں
جو مٹائے سے مٹے وہ خطِ تقدیر نہیں جس میں اُلجھے نہ ہوں دل زلف گرہ گیر نہیں
اپنے عشاق کو یوں ہجر میں تڑپاؤں گی
دل کو لیتی ہوئی پہلو سے نکل جاؤں گی

مرغ دل سانس نہ لے آج وہ شہباز بنوں
رن میں مَیں قاتل کفار بصد ناز بنوں
ذوالفقار اسد اللہ کی دمساز بنوں
شاہ دیں کا جو اشارہ ہو تو اعجاز بنوں
دشت پُر ہو لئے لاشوں سے گڑھے پٹ جائیں
میں رہوں دور لعینوں کے گلے کٹ جائیں

یوں چلی چار طرف دشت میں حُر کی تلوار
خوف سے بھاگ گئے دور پیادے اسوار
جانب نہر روانہ ہوئے ڈر کے سردار
روک کے بحر غضب شیر نے ردکا رہوار
دی بن سعد کو آواز کہاں ہے ظالم
رن میں آ کس لئے خیمے میں نہاں ہے ظالم

آئی غیرت تو بن سعد بد اطوار چلا
حُر کے سمجھانے کو خیمہ سے جفا کار چلا
وقت کو دیکھ کے تولے ہوئے تلوار چلا
پی کے جام مے نخوت وہ ستمگار چلا
حُر کے نزدیک جو ہیں بانی بیداد آیا
بڑھ کے تائید کو شمر ستم ایجاد آیا

کی بن سعد نے یہ حُر جری سے گفتار
دیکھ سمجھاتا ہوں یہ جنگ ہے تیری بیکار
چھوڑ دے بہر خدا نصرت شاہ ابرار
دی صدا حُر نے کہ خاموش رہ او بد کردار
دونوں عالم کے شہنشاہ کی نصرت چھوڑوں
باغ دنیا کے لئے گلشن جنت چھوڑوں

کہا ظالم نے سمجھتا ہوں جو ہے خوف و خطر
ایک عباس کی ہیبت سے گیا ہے تو ادھر
واقعاً ضیغم حیدر ہے وہ جان لشکر
لیکن اے حُر تجھے دیتا ہوں نتیجے کی خبر
حسرتیں رو دیں گی تا حشر جوانی کے لئے
جائے گا شیر تڑپتا ہوا پانی کے لئے

کہا حُر نے کہ سُن اے دشمنِ ادراک و حواس
میں نے دیکھی ہے وفاداریِ جانِ الیاس

دست بستہ جو گیا قربِ شہِ نیک اساس
میری شمشیر پہ تھا دستِ جنابِ عباسؑ

روح اب تک قفسِ جسم میں تھراتی ہے
شیر کی بو مرے قبضہ سے چلی آتی ہے

آئیگا جنگ کو جب فاتحِ خیبر کا لال
خیبری چیخ اُٹھیں گے کہ ہے حیدرؑ کا جلال

شیر تجھ سے نہ کریگا کبھی پانی کا سوال
ہو گی پیاسے سے لبِ نہر قیامت کی جدال

جو ولے کفر کی تو سے وہ اسلام نہیں
چھین لے گر نہ ترائی تو مرا نام نہیں

جسقدر جمع ہیں سردار ترے پاس یہاں
دیکھنے کے ستم آرا ہیں ملو وار جوان

جب پئے جنگ چلے گا اسدِ حق کا نشاں
قبضۂ تیغ میں آ جائے گی سب فوج گراں

اک قدم دشت میں اور اک لبِ دریا ہو گا
شیر حیدرؑ کا ترائی میں ٹہلتا ہو گا

وہ تو عباس ہیں اسطرح کی میں نے پیکار
رن سے بھاگے ہیں علم چھین کے کیا اک بار

اسقدر گرد اڑی ہو گیا لڑنا دشوار
دیکھ بیٹھا نہیں اب تک مری ہیبت سے غبار

بو ترابی ہوں دمِ جنگ بتایا میں نے
خاک میں سب ترے لشکر کو ملایا میں نے

کہا ظالم نے کہ مالک تو ہمارا ہے امیر
جس کے قبضہ میں رے و روم کا ہے مالِ کثیر

جرعۂ آب کو محتاج ہیں بن میں شبیرؑ
تجھ کو کیا دینگے بھلا منصب و جاہ و جاگیر

کونسی سبطِ نبی نے تجھے دولت دیدی
کہا حر نے کہ گنہگار کو جنت دیدی

کیا ہی گرتا ہے یزیدِ ستم آرا کا غلام — حق یہ ہے دور تجھے دولتِ دنیا سے ہو کام
میں ہوں پابندِ شریعت مرا مذہب اسلام — سبطِ محبوبِ خدا دونوں جہاں کے ہیں امام
کم سمجھتا ہے جو خوشۂ گلشنِ جنت دیدیں
کیا یہ مطلب ہے کہ شبیرؑ امامت دیدیں

حُر ابھی غیظ میں ظالم سے یہ کہتے تھے ادھر — پھر ہوئی جنگ پہ آمادہ اُدھر فوجِ شر
آگے سردار بڑھے کھینچ کے تیغ و خنجر — پسرِ سعد بھرا ہمرہِ شمرِ خودسر
نیزے تانے ہوئے ہر سمت سے جلاد آئے
دفعتاً حُر کے قریب بانیٔ بیداد آئے

حُر نے حملہ کیا پھر تول کے شمشیرِ دودم — متفرق ہوئی پھر چار طرف فوجِ ستم
خود بھی مجروح ہوا دشتِ وغا میں ضیغم — کھا کے میداں کی ہوا آ گیا زخموں پہ ورم
بہہ گیا خون تنِ زار میں قوت نہ رہی
پشتِ توسن پہ سنبھلنے کی بھی طاقت نہ رہی

دشت میں ٹوٹ پڑے چار طرف سے اسوار — چل گئے تیر و تبر نیزہ و خنجر تلوار
ہو گیا ہائے غضب شیر کا سینہ افگار — گر پڑا ضعف میں رہوار سے حُرِ دیندار
دی صدا شمر نے تن خون سے سب لال کرو
شہِ مظلوم کے مہمان کو پامال کرو

اُلفتِ شاہ کا دم بھرتا تھا گر کے صفدر — خون کے بہنے سے آتے تھے جری کو تیور
شور تھا چار طرف مار لو حُر کو بڑھ کر — سنتے تھے فوج کی آواز شہِ جن و بشر
بولے عباسؑ سے گر ظلم وہ جلاد کریں
ہم پہ ہے فرض کہ مہمان کی امداد کریں

کہہ کے یہ رن کو روانہ جو ہوئے شاہ ہدا　　لیکے شمشیر دو دم ساتھ چلا جان وفا
شہ نے رستے میں عباس دلاور سے کہا　　کیا کہوں الفت حر میں جو ہے عالم دلکا
غیر حالت ہوئی ہے زیست سے گھبراتا ہوں
بیٹھا جاتا ہے دل زار گرا جاتا ہوں

شہ یہ کہتے ہوئے عباس سے جاتے تھے ادھر　　ظلم پر فوج ری وردم تھی آمادہ اُدھر
دور سے دیکھتا تھا شمر لعیں بد اختر　　سب ستمگار بڑھانے لگے گھوڑے یکسر
حُر کے نزدیک جفاکار جو ہیں جا پہونچے
دی صدا بڑھ کے علمدار نے شہ آ پہونچے

تھم گئی فوج گئے سبط نبی حر کے قریں　　دیکھا جاری ہے لہو زخموں سے اور ہوش نہیں
بیٹھ کے پاس یہ کہنے لگے شاہنشہ دیں　　بھائی عباس ستم ہو گیا جلتی ہے زمیں
ریگ میدان کی زخموں میں بھری جاتی ہے
کیا کروں میں مجھے مہمان سے شرم آتی ہے

سُنکے یہ حُر نے کیا خوں بھری آنکھوں کو باز　　دیکھ کے چہرۂ پر نور شہنشاہ حجاز
جوڑ کے دست ادب کہنے لگا یہ جانباز　　آپ ہوتے ہیں مصیبت میں آکے دمساز
ہوں خطاوار جو میں غم کی فراوانی ہے
کہا شہ نے مجھے خود تجھ سے پشیمانی ہے

تو نے کس وقت میں کی ہے مری آکے نصرت　　ایک افسانۂ پر درد ہے تیری الفت
میں بھی مجبور ہوں ہے مجھ کو عطش کی شدت　　قابل دید ہے دیندار جہاں کی حالت
قطرۂ آب دم تشنہ دہانی نہ ملے
نکلے مہمان کا دم اور مجھے پانی نہ ملے

کہہ کے یہ زانوئے اقدس پہ کہا حُر کا سر — روکے فرمانے لگے بادشہِ جن و بشر
تیری تکلیف سے تکلیف ہے میرے دل پر — میں بھی پیاسا ہوں تجھے پانی پلاؤں کیونکر
فوج گھیرے ہوئے ہے نہر سے بھی تو دور ہوں میں
تجھ پہ ظاہر ہے وفادار کہ مجبور ہوں میں

حُر نے کی عرض کہ اے سبطِ نبیؐ شاہِ انام — قدمِ پاک پہ ہوتا ہے تصدق یہ غلام
بعد حیدر کے زمانے میں ہیں اب آپ امام — حرکتِ قلب کی رُکنے کو ہے ہوتا ہوں تمام
ضعف کہتا ہے کہ دم بھر میں قضا آتی ہے
شاہ دیں تن سے مری روح کھنچی جاتی ہے

ناگہاں چہرۂ غازی پہ اداسی چھائی — پتلیاں پھر گئیں آنکھوں کی گئی بینائی
کہہ کے یا شیرِ خدا نزع میں لی انگڑائی — دست و پا سرد ہوئے موت کی ہچکی آئی
جان پائے شہِ والا پہ فدا کی حُر نے
زانوئے سبطِ پیمبرؐ پہ قضا کی حُر نے

کرمِ حق سے مہذب نہ ہراساں ہو دل — جو نہ آسان ہو ایسی نہیں کوئی مشکل
کر دعا صبح و مسا دل کے ہوں مطلب حاصل — شکر ہے رحمتِ خالق سے ہوا تو فی صل
مدحِ شہ میں جو تجھے کوشش و کد ہوتی ہے
جانبِ خالقِ اکبر سے مدد ہوتی ہے

تیسرا مرثیہ

در حال ثانی زہرا حضرت زینب صلوات اللہ علیہا

یہ مرثیہ جنوری ۱۹۵۶ء ۲۴ رجب ۱۳۷۵ ہجری کو جناب چھبن صاحب بنت فروش خلف رکن العزا امیر نواب علی صاحب کی سالانہ مجلس میں پڑھنے کے لیے عرض کیا گیا تھا اس مرثیہ کا موضوع پردہ ہے۔

مطلع

وہ دور ہے کہ زیست کا یارا نہیں رہا

بند (۱۱۷)

وہ دور ہے کہ زیست کا یارا نہیں رہا　دنیا میں زندگی کا سہارا نہیں رہا
احسان ناخدا کا گوارا نہیں رہا　طوفان اٹھ رہے ہیں کنارا نہیں رہا
ہر دم ہے حسرتوں کی نظر کارساز پر
خشکی میں آفت آ گئی ڈوبے جہاز پر
دنیا بھری پڑی ہے کوئی ہمنوا نہیں　اتنا خودی کا زور ہے گویا خدا نہیں
خاموشیوں کی اب تو حد انتہا نہیں　آواز دیجیئے تو کوئی بولتا نہیں
آثار کہہ رہے ہیں قیامت کا ڈھنگ ہے
آبادیوں میں شہر خموشاں کا رنگ ہے

کرتے ہیں جس سے بات وہ دیتا نہیں جواب
شکوہ کرو تو کہتا ہے، ہے دورِ انقلاب
ذرّوں میں وہ چمک ہے کہ ہیں مثلِ آفتاب
شرمندگی کا دور ہے دریا ہے آب آب

بیٹھے ہیں چپ جو گھر سے نکلتے تھے شان سے
مجبور ہو کے اٹھ گئے لاکھوں جہان سے

افلاس نے کیا یہ کرم آ کے رہ گیا
جتنی بلائیں ساتھ تھیں سب لا کے رہ گیا
کیا یہ مہمان تھا جو ستم ڈھا کے رہ گیا
خالی زر و سرور سے گھر پا کے رہ گیا

کچھ دن میں یہ خبر تھی افلاک اڑ گئی
ہُن جس جگہ برستا تھا واں خاک اڑ گئی

خوشحال جس قدر تھے زدہ حال ہو گئے
جو بد نصیب تھے وہ خوش اقبال ہو گئے
جتنے تھے سربلند وہ پامال ہو گئے
دولت تھی جن کے پاس وہ بے مال ہو گئے

رخ خوش نصیبیوں کا جو مڑتا چلا گیا
دولت کے ساتھ رزق بھی اڑتا چلا گیا

باقی نہیں خلوص نئی رسم و راہ ہے
المختصر جہان کی حالت تباہ ہے
دل ہیں سیاہ آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے
ہے دشمنی کا زور محبت گناہ ہے

اب بیوفائیوں پہ بگڑتا نہیں کوئی
گرنے لگو تو ہاتھ پکڑتا نہیں کوئی

ملئے خلوص سے تو اب آتا نہیں یقیں
یہ خوف ہے کہ ہو نہ کہیں مار آستیں
کہتے ہیں سادگی کا زمانہ بھی ہے کہیں
اب اس جہاں میں آپ کو رہنے کا حق نہیں

ایماں فروش بن کے ہر اک کام کیجیے
پھر جس قدر بھی چاہیئے آرام کیجیے

کچھ بات کیجیے جرب زبانی کا وقت ہے
کھیے قدم کو تیز روانی کا وقت ہے
ایمان بیچیے کہ گرانی کا وقت ہے
آیا ہے انقلاب جوانی کا وقت ہے
طاری ہے خاص کیف دل شیخ و شاب پر
دنیا کی آگئی ہے سیاست شباب پر

دولت پرست بن گئے ہیں شیخ و شاب اب
خالی رہا ہے مکر و دغا سے جہان کب
ہے جس میں قول لشکر شام و ری و حلب
کیا خوب بیت کہہ گئے ہیں حضرت ادب
بندے ہیں زر کے ہمکو فقط زر سے کام ہے
مطلب خدا سے ہے نہ پیمبر سے کام ہے

پڑھیے اگر کتاب میں ماضی کی داستاں
کہنا پڑے گا لائی ہے قسمت ہمیں کہاں
دیکھا وہ دور آتی ہے آواز الاماں
پھر بھی کمال عہد گذشتہ کا ہے عیاں
گو دل بھرے ہوئے تھے جہاں کی امنگ سے
دنیا گذر رہی تھی مگر ایک رنگ سے

مردوں کا اور عورتوں کا تھا خیال ایک
راہ حیا و شرم میں تھی سب کی چال ایک
دولت تھی سب کے پاس یہی لازوال ایک
غیرت کی انتہا میں تھا سب کا کمال ایک
حیرت تھی اس فراخدلی پر جہان کو
قربان کرکے رہتے تھے عزت پہ جان کو

اس میں نہیں تھی قید رئیس و امیر کی
اس میں نہیں تھی قید غریب و فقیر کی
اس میں نہیں تھی قید قلیل و کثیر کی
اس میں نہیں تھی قید حصیر و سریر کی
سب کی نظر تھی ایک سی سارے جہان میں
لیکن جہاں کی شرم تھی ہندوستان میں

ہندوستاں میں پردے پہ تھا لکھنؤ کو ناز
بن بیاہیوں پہ خاص یہ تھا لطف کارساز
عصمت کو جانتی تھیں کہ ہے زندگی کا راز
مشہور تھی مثل کہ دوپٹہ ہے جا نماز
ہر دل کو ناگوار تھا دنیا کا تذکرہ
مرغوب تھا تو پردۂ زہرا کا تذکرہ

ایسی بھی عورتیں تھیں خدائی میں انتخاب
تھیں ایسی بے نظیر کہ جن کا نہ تھا جواب
جن پر حیا نثار تھی جن پر فدا حجاب
عصمت کے آسماں پہ جو تھیں مثلِ آفتاب
قانون یہ تھا کہ غیر پہ پڑتی نہ تھی نظر
کوئی اگر لڑائے تو لڑتی نہ تھی نظر

کہتا تھا یہ شباب کہ اب سر اٹھائیے
تھا یہ حیا کا حکم کہ نظریں جھکائیے
کہتا تھا جوش خون کا شوخی دکھائیے
عزت کا تھا یہ قول کہ مجھ کو بچائیے
عصمت کے ساتھ دیکھ کے زورِ حجاب کو
شرمندگی سی ہوتی تھی عہدِ شباب کو

گھر کو یہ جانتی تھیں کہ ہے روکشِ جناں
جو خلد میں ہے لطف وہی لطف ہے یہاں
سنتی تھیں دل سے مریم و حوا کی داستاں
تھا دل کو بے حجابیوں کا ذکر بھی گراں
یہ راز ہو چکا ہے عیاں خاص و عام پر
اک دور تھا کہ روتی تھیں شادی کے نام پر

وہ دور تھا کہ جس میں تھی عزت کی زندگی
دراصل زندگی تھی وہ عورت کی زندگی
کرتی تھی جس پہ فخر شرافت کی زندگی
کہتی تھی بڑھ کے حسن سے عصمت کی زندگی
حکمِ خدا و حکمِ رسولِ انام ہے
نامحرموں کے سامنے جانا حرام ہے

دنیا میں ہو سکی کوئی لغزش نہ ایک دم — کھائی تھی پاکدامنی حسن کی قسم
ہوتی تھی بعد عقد بھی مشق حیا نہ کم — رکھتی تھیں پھونک پھونک کے سسرال میں قدم
عصمت کبھی نہ حشر خرامی دکھا سکی
اس عہد میں ابھی سے قیامت نہ آ سکی

ماں باپ کی خوشی نے دکھایا نیا جو دور — شوہر کے گھر میں جا کے حیا بڑھ گئی کچھ اور
پہلے کچھ اور طور تھے اب ہیں کچھ اور طور — بیٹھیں جو سر جھکا کے تو کرنے لگیں یہ غور
طاعت کا درس دے کے جہاں کو یہاں سے جائیں
ہو حاصل حیات کہ مر کے یہاں سے جائیں

شوہر کے گھر سے پھر نہ کہیں عمر بھر گئیں — گھر سے اگر گئیں بھی تو خالق کے گھر گئیں
حیرت سے کل جہان کو وہ کام کر گئیں — پردے کی بات رہ گئی پردے میں مر گئیں
ہونے دیا نہ حسن دوبالا حجاب نے
اپنی بہار آپ نہ دیکھی شباب نے

جب تک تھیں اپنے گھر میں بہن لاڈ پیار کے — پہنا کبھی نہ ہار دن آئے بہار کے
نکلیں کبھی نہ صحن میں گیسو سنوار کے — رکھا کبھی نہ سر سے دوپٹہ اتار کے
صدقے نہ کیوں غیور ہوں حسن حجاب پر
پردے پڑے تھے شرم کے عہد شباب پر

جب اپنے گھر میں تھیں تو نرالا تھا انتظام — تھی سادگی غضب کی نہ تھا زینتوں سے کام
آئینہ دیکھنے کا نہ تھا شوق صبح و شام — روشن تھا خاندان کا ان بی بیوں سے نام
دل کو حیا کے لطف نئے گھر میں مل گئے
آئی بہار شرم اگر پھول کھل گئے

وہ بھی تھیں کی مسہریوں پر زندگی بسر | بد قسمتی سے مل گیا اُن کو کچھ ایسا گھر
جس میں بجز الم نہ مسرت کا تھا گذر | کی بوریئے پہ طاعتِ خلاقِ بحر و بر
گلزار کو نوید نسیم بہار دی
ساری حیات شکرِ خدا میں گذار دی

ٹوٹے ہوئے مکان کو سمجھیں فلک مقام | آیا نہ لب پہ بھول کے آسائشوں کا نام
تکلیف کو خیال کیا راحتِ مُدام | وردِ زباں تھی بیتِ تعشق ہر ایک گام
رہنے کو جس طرح کا مقدر نے گھر دیا
دل بھی مرے کریم نے ویسا ہی کر دیا

فاقے میں بھی ہنسیں کہ نہ شوہر کو ہو ملال | خوددار تھیں کیا نہ کسی چیز کا سوال
ظاہر کیا نہ بھول کے غیروں پہ دل کا حال | گھٹتا گیا جو خون تو بڑھتا گیا جمال
ہموار راہِ صبر کو کرتی چلی گئیں
رنج و بلا میں گھر کے نکھرتی چلی گئیں

سب جانتی تھیں خالقِ اکبر کا مرتبہ | تھا سامنے رسولؐ سے رہبر کا مرتبہ
پہچانتی تھیں آلِ پیمبرؐ کا مرتبہ | تھا اِن سبھوں کے بعد تو شوہر کا مرتبہ
بے پردگی کو شوق سے دیکھا نہ بھول کے
کرتی تھیں سجدے نقشِ قدم پر بتولؑ کے

غیروں کی سمت آنکھ اُٹھاتی نہ تھیں کبھی | نامحرموں کے سامنے جاتی نہ تھیں کبھی
آواز تک کسی کو سناتی نہ تھیں کبھی | اغیار کو جھلک بھی دکھاتی نہ تھیں کبھی
دارِ فنا سے ایسی بھی اکثر گذر گئیں
سر کے سفید بال تھے بن بیاہی مر گئیں

اب اور پردہ برا اور زمانے کا رنگ ہے — عورت سے اور حیا سے قیامت کی جنگ ہے
تاریخ اب انقلاب کی دل کی امنگ ہے — غیرت ہے جس کو زیست سے اپنی وہ تنگ ہے
سیدانیوں کے راہ میں ہیں منہ کھلے ہوئے
مرنے پہ ہیں غیور خوشی سے تلے ہوئے

سب کے دماغ میں جو ہوا سیر کی بھری — شاخ مراد خشک تھی پھلے ہوئی ہری
بے پردگی زنے کی یہ جو اہر کی اتری — بازار میں کھڑے تھے ہر اک سمت جوہری
پردہ ہٹا کے راہ میں دیکھا جو جھانک کے
قیمت لگا دی آنکنے والے نے آنک کے

اب خود یہ چاہتی ہیں کہ وہ بولیں کہیں — چہرہ ہے شرمگیں نہ نگاہیں ہیں شرمگیں
چلنے میں وہ چمک ہے کہ لچکاتی ہے زمیں — رفتار کہہ رہی ہے کہ قابو میں دل نہیں
گھر کاٹنے لگا تو نئے گھر کی ہے تلاش
انداز نے کہا ہمیں شوہر کی ہے تلاش

بازار میں ہے رنگ بدلتا ہوا حجاب — برقع سیاہ اور بڑھاتا ہے آب و تاب
ڈالی کبھی نقاب تو الٹی کبھی نقاب — آیا کبھی گھٹا میں کبھی چمکا آفتاب
کھلنے سے زلف و رخ کے یہی آشکار ہے
یہ بھی ادائے گردش لیل و نہار ہے

ہلچل ہے حشر اٹھاتی ہیں ہر ایک گام پر — لڑتی ہیں ایک ایک سے جائے قیام پر
شرم و حیا کا دور جو ہے اختتام پر — ہوتی ہیں عید ہنستی ہیں شادی کے نام پر
جس وقت رخصتی ہوئی کھٹکا نکل گیا
ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کانٹا نکل گیا

شوہر نکل کے گھر سے روانہ ہوا اُدھر — یہ بہرِ سیر اوڑھ کے برقع چلیں اِدھر
تفریح کو پہونچ گئیں ہمجولیوں کے گھر — عالم کی اطلاع ہے گھر کی نہیں خبر
شوہر کے گو خلاف ہے پر روکتا نہیں
عزت اُبھارتی ہے مگر ٹوکتا نہیں

سوہانِ روح ہے ہمیں دُنیا کا انقلاب — ہے آفتاب ذرہ تو ذرہ ہے آفتاب
ہیئت کے ساتھ ہوتا ہے شیشے کا انتخاب — اُٹھے نہ ہم جہان سے اور اُٹھ گیا حجاب
پردے کی رسم اُٹھانے کو چہرے سے ہٹ گئیں
ایسی ہوا چلی کہ نقابیں اُلٹ گئیں

کہنہ رسوم باعثِ آزار ہو گئے — جتنے خدا حکم تھے بیکار ہو گئے
طائرِ خیالِ وقت کے پردار ہو گئے — یعنی ہوا پہ اُڑنے کو تیار ہو گئے
چین آیا بلبلوں کو نشیمن کو چھوڑ کے
بازار میں گُل آ گئے گلشن کو چھوڑ کے

وہ شرم، وہ لحاظ، وہ صورت نہیں رہی — غیرت کا نام رہ گیا غیرت نہیں رہی
پردہ اُٹھا مکان سے اُلفت نہیں رہی — گلشن سے باغباں کو محبت نہیں رہی
پائی جو انقلاب کی زَد روزگار میں
چھوڑا چمن کو آمدِ فصلِ بہار میں

آیا غضب کا فرق جہاں کے نظام میں — جوہر رہے نہ پھنس کے خزانوں کے دام میں
فطری یہ دلکشی ہے جواہر کے نام میں — گھر سے گئے نکل کے جو بازارِ عام میں
اتنا تو جوہری کی نظر کام کر گئی
موتی پلٹ کے آئے مگر آب اُتر گئی

ہوتے ہیں ہر مرض میں تدابیر کارگر حکم طبیب تھا رہو اپنے مقام پر
کھائی بُری ہوا تو پڑے گا بُرا اثر نکلے مریض گھر سے جو نہی لگ گئی نظر
لانے پڑے غریبوں کو مفت اپنی جان کے
یہ سب ہوا حکیم کا کہنا نہ مان کے

فطرت پکارتی ہے جواہر چھپائیے جس کی نظر نظر ہو اُسی کو دکھائیے
ہو رہزنوں کا خوف تو پھر اٹھائیے پوشیدہ کر کے بر سر بازار لائیے
دولت یہ وہ ہے چھپ کے نہ پھر آئے گی نظر
گر غیر دیکھ لے گا تو لگ جائے گی نظر

یہ سب تو شاعری تھی سنیں آپ صاف صاف حق بات کہہ رہا ہوں نہ ہو طبع کے خلاف
عورت کے ایک راز ہوا جس کا انکشاف پردے کے ساتھ شرم بھی اٹھی خطا معاف
اندھیر تو یہ ہے کہ سراپا بدل گئیں
گھر سے سیاہ اوڑھ کے برقعے نکل گئیں

چہرے پہ ہی نقاب مگر ہے برائے نام جس طرح کوئی چھپے گہن میں مہ تمام
اپنوں میں خاص ہوتا ہے پردے کا اہتمام غیروں میں کھول دیتی ہیں منھ دیکھیے مدام
ارماں سب نکل گئے دل شاد ہو گئے
لو دیکھ لو ہمیں کہ ہم آزاد ہو گئے

سب اُٹھ گئے جہاں سے پرانے خیال کے ملتے ہیں ہر طرف کو مرقعے جمال کے
پردے میں رہ کے چہرۂ تاباں نکال کے کرتی ہیں باتیں آنکھوں میں آنکھوں کو ڈال کے
ہے انقلاب دور حیا کا گزر گیا
جو باعث حیات تھا پانی وہ مر گیا

آرائشوں کے ہوتے ہیں ساماں نئے نئے   اُٹھتے ہیں بحرِ حسن میں طوفاں نئے نئے
کیونکر نہ ہوں لباس کے عنواں نئے نئے   دامن نئے نئے ہیں گریباں نئے نئے

دیوانہ کر دیا دلِ بے اختیار نے
اک دم سے ہوش اڑا دیے فصلِ بہار نے

جاتے ہیں ساتھ لے کے جو مشہور ہیں غیور   اتنا ابھی لحاظ ہے رہتے ہیں دور دور
کچھ دن میں یہ خیال بھی مٹ جائیگا ضرور   اس انقلابِ خاص میں مردوں کا ہے قصور

اہلِ شعور ہنستے ہیں رسمِ حجاب پر
بے پردگی اب آ گئی پکّے شباب پر

ڈر عورتوں کے دل سے گیا ہو گیا ستم   گھر میں ہو ایک ایک ہی بازار میں قدم
سب نذرِ سیر ہو گئے تھے جسقدر بھی غم   تفریح کا جو شوق تھا فطری ہوا نہ کم

تھا اختیار گاہ وہاں گاہ یہاں گئیں
شوہر کو یہ خبر بھی نہیں ہے کہاں گئیں

تہذیبِ مغربی کا جو آیا ہوا شباب   کچھ دن میں ہے نکلنے کو مغرب سے آفتاب
تعلیم کا کچھ ایسا نتیجہ ہوا خراب   مرضی سے اپنی کرتی ہیں شوہر کا انتخاب

دنیائے انقلاب میں اس درجہ بڑھ گئیں
غیرت تو پیچھے رہ گئی یہ آگے بڑھ گئیں

چھوڑا گھر اس لیئے کہ چمن کی فضا ملے   دل باغ باغ ہو جو گلِ مدعا ملے
صحت رہے حیاتِ جہاں کا مزا ملے   نکلیں اسی غرض سے کہ تازہ ہوا ملے

بے پردگی کے جتنے بھی اغراض بڑھ گئے
اُتنے تمام خلق میں امراض بڑھ گئے

بے پردگی اب آ پہنچی ہے پردا تھا جس قدر
محفوظ اس وبا سے اگر ہیں تو چند گھر
کہتا ہے دل کہ حشر اب آنے کو ہے خطر
ہے خاص انقلاب نظر کیجیے جدھر
جو نیک نام شہر تھا بدنام ہو گیا
اللہ لکھنؤ کا یہ انجام ہو گیا

ہوں لکھنوی تو میں نے لیا لکھنؤ کا نام
سچ پوچھیے تو خلق میں ہے یہ وبائے عام
عزت کو کر چکا ہے ہر اک دور سے سلام
آئے گا حشر لے کے بدلتا ہوا نظام
تھا جس کا خوف وقت بہر طور آ گیا
چکر میں ساری خلق ہے وہ دور آ گیا

مردوں کا فرض ہے کہ وہ روکیں بہ شد و مد
خاموشیوں کی ہوتی ہے دنیا میں کوئی حد
بدقسمتی سے دیکھ لیا سب نے روز بد
پیدا ہو ٹوکنے سے اگر عورتوں کو کد
مانیں نہ حکم رشتۂ الفت کو توڑ دیں
چھوڑیں اگر وہ گھر کو تو یہ ان کو چھوڑ دیں

اسلام دے رہا ہے صدا جلد آئیے
اے حافظان دین پیمبر بچائیے
تبلیغ کی طرف قدم اپنا اٹھائیے
حکم رسول حکم الٰہی بتائیے
دنیا کا پاس بہر شریعت نہ کیجیے
یہ دین کا ہے کام مروت نہ کیجیے

اعلان کیجیے کہ ہے بے پردگی حرام
انجام جلد دیجیے جو آپ کا ہے کام
حکم خدا کا آپ کو واجب ہے احترام
اے واعظین دین رسول فلک مقام
شرع نبی کا راز نہاں کھولتے نہیں
منہ کھل گئے اور آپ زباں کھولتے نہیں

حق کے مقابلے میں ہو باطل سے کیوں خطر — بس خیر اسی میں ہو کہ نہ باقی رہے یہ شر
کافی پہونچ چکا ہو اب اسلام کو ضرر — کچھ روز اسی طرح رہے خاموش آپ اگر
اک آگ سی لگے گی زمیں آسمان میں
باقی ہیں جو ٹھہر نہ سکیں گی مکان میں

جس وقت بھی رسولؐ کے منبر پہ جائیے — بے خوف جو بھی حکم نبیؐ ہے سنائیے
دلمیں کوئی خیال نہ دنیا کا لائیے — پردے جہالتوں کے جہاں سے اٹھائیے
ہے جسقدر بھی آپ کا امکان ڈٹ گئیے
پردے کی ہے یہ بات بالاعلان ڈٹ گئیے

بے پردگی کا دین پیمبرؐ پہ ہو اثر — دنیا میں جب کسی کا نہیں عالموں کو ڈر
اعلان سے کہیں کہ ہے اسلام کا ضرر — ہم سے سنیں صحیح یہ دیتے ہیں ہم خبر
کثرت اب اسقدر ہے کہ گھبراتی ہے نظر
رستے میں اک نہ ایک پہ پڑجاتی ہے نظر

محتاط دقتوں میں ہیں کس راستے سے جائیں — موڑیں نظر کدھر سے کدھر کو نظر اٹھائیں
ہر سمت سے سیاہ چلی آتی ہیں گھٹائیں — تیروں کا مینھ برستا ہو دل کس طرح بچائیں
القصہ سب کو مورد الزام کر دیا
بے پردگی نے قوم کو بدنام کر دیا

سب مل کے مجلسوں میں کریں ذکر صبح و شام — بے پردگی حرام ہے بے پردگی حرام
ممکن یہ ہو کہ لے کے اثر سارے خاص و عام — ناموس سے کہیں کہ غضب کا ہے یہ مقام
بے پردگی زینبؑ مضطر کا واسطہ
بیٹھو گھروں میں آل پیمبرؐ کا واسطہ

بدقسمتی سے خلق میں آیا جو انقلاب دے کے تباہیوں کی خبر اٹھ گیا حجاب
اٹھ اٹھ کے دیکھتا رہا آیا ہوا شباب عصمت نے دی صدا مری مٹی ہوئی خراب
محفوظ آج تک تو رہی میں مکان میں
جاتی ہوں اب کہ رہ نہیں سکتی جہان میں

دنیا میں اب قیام کی صورت نہیں رہی میں رہ کے کیا کروں مری عزت نہیں رہی
عاشق تھے جو اب انکو محبت نہیں رہی دل سے اتر گئی کوئی قیمت نہیں رہی
ہے میرے دل پہ داغ قیامت اٹھاؤنگی
حشر آئے گا پلٹ کے مگر میں نہ آؤنگی

اہل نظر کی مجھ پہ رہی ہے صدا نظر مجھ کو سوا خدا کے کسی کا نہیں ہے ڈر
بچتے ہے میری وجہ سے عصیاں سے ہر بشر تھی خیر خواہ میں مرا ہر دل پہ تھا اثر
اب آجکل زمانے کے ہاتھوں تباہ ہوں
خالق مرا گواہ ہے میں بے گناہ ہوں

میں تھی گواہ مریم حق آشنا کے ساتھ سارا کے ساتھ میں رہی صدق و صفا کے ساتھ
روز الست سے ہوں مگر فاطمہؑ کے ساتھ پردے میں تھے میں ہی ہر باخدا کے ساتھ
یوں تو ہر ایک دور میں میں سب کے ساتھ تھی
بے پردگی میں حضرت زینبؑ کے ساتھ تھی

جب ہمیں قتل ہو گئے شاہ فلک مقام آمادہ ظلم و جور پہ تھی سب سپاہ شام
ایسی لگائی آگ کہ جلنے لگے خیام لٹتے تھے اہلبیت شہنشاہ تشنہ کام
چادر چھنی ہے جب مجھے صدمہ بڑا ہوا
زینبؑ کے رخ پہ تھا مرا دامن پڑا ہوا

ہیبت یہ تھی کھڑی ہوئی تھی فوج شام دور
دو نعمتوں کا چہرۂ انور سے تھا ظہور
رعب و جلال شیر خدا فاطمہؑ کا نور
بے پردگی کے بعد بھی زینبؑ تھیں بے قصور
اُن کے قریب ہو کے گذرتی نہ تھی نظر
میرے سبب سے رخ پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر

ہر ہر قدم شریک تھیں اُمت کے کام میں
تھی اُنکی شرط مقصد شاہ انام میں
زینب جو سر کھلے گئیں بازار شام میں
بازار سے یزید کے دربار عام میں
میں باوفا تھی غیرت العباس کی طرح
تھی ساتھ روح حضرت عباس کی طرح

زینبؑ کی ایک ذات تھی سارے جہان میں
ان کی کوئی مثال نہ تھی آن بان میں
تھا زور شیر بنت پیمبرؐ زبان میں
فرماتے تھے یہ سبط نبیؐ اُنکی شان میں
کم ہے کہوں کہ مریمؑ و حواؑ سے کم نہیں
زینبؑ جناب فاطمہؑ زہراؑ سے کم نہیں

ماں میری فاطمہ تھیں زمانے میں بیمثال
جن کا ہر ایک فعل تھا سرمایۂ کمال
چہرے پہ جنکے عفت و عصمت کا تھا جمال
تعظیم جنکی کرتے تھے محبوب ذوالجلال
آئینہ بن کے زینبؑ دلگیر رہ گئی
زہراؑ گئیں جہاں سے تصویر رہ گئی

جب کربلا میں آئے تھے شاہ فلک مقام
تھے ساتھ اہلبیتؑ رسول خداؐ تمام
اس راز کو سمجھ نہ سکا ظالم فوج شام
زینبؑ کو خاص نصرت حق میں تھا اہتمام
لی شمر نے ردا تو پشیمان ہو گیا
بے پردگی سے پردے کا اعلان ہو گیا

آباد دل کو کوفے کے ویران کر دیا
مشکل جو کام تھا اُسے آسان کر دیا
اسلام کے جہان پہ احسان کر دیا
زینبؑ کی ایک ذات نے اعلان کر دیا

کوشش تو کی یزید نے مجبور ہو گیا
شبیرؑ بے خطا تھے یہ مشہور ہو گیا

ساکت کیا زبانوں پہ پہرے بٹھا دیئے
دنیا کو سارے رازِ شہادت بتا دیئے
پردے جو ڈالے جا رہے تھے وہ اٹھا دیئے
زینبؑ نے صبر و ضبط کے جوہر دکھا دیئے

بے پردگی میں زور یہ تھا امتحان کا
سوئے حسینؑ موڑ دیا رخ جہان کا

کیا زور تھا وصیتِ شاہِ انامؑ میں
تاخیر کی ذرا نہ سکینہ کے کام میں
خطبہ نے دل ہلا دیئے بازارِ شام میں
ساکت کیا یزید کو دربارِ عام میں

راہِ وفا میں پیکرِ احساس بن گئیں
زینبؑ کبھی علیؑ کبھی عباسؑ بن گئیں

قوت تھی انکی وجہ سکونِ قلبِ امامؑ کو
ہمراہ لیکے عترتِ شاہِ انامؑ کو
طے کر رہی تھی بنتِ علیؑ راہِ شام کو
عزت خدا نے دی تھی جو عالی مقام کو

یوں تو حجاب بن گئی تھی سب کے واسطے
اڑتی تھی خاک پردۂ زینبؑ کے واسطے

کوفے کے راستے میں قیامت کا تھا سماں
غم تھا زمیں کو متاثر تھا آسماں
ہوتی تھی جب بھی اسے کسی بال کو تکاں
ہلتا تھا گاہوارے کی صورت سے کل جہاں

تھے متصل زمین سے ناشاد کے قدم
روکے تھے انقلاب کو سجادؑ کے قدم

مقتل میں کٹ گیا سرِ شاہِ فلک مقام — کرنا تھا جو کیا وہ مسافر نے اہتمام
جنگل میں خیر سے ہوا اعدا کا اختتام — بھائی کا سر اتر گیا منزل ہوئی تمام
ہمت کی تھی جو بات نگاہوں پہ چڑھ گئی
دینے کو امتحان بہن آگے بڑھ گئی

چادر نہ تھی جو سر پہ تو دل کو نہ تھا قرار — بالوں سے منہ چھپا کے بصد عزت و وقار
قائم کیا جہان پہ پردے کا اقتدار — اک راز شرع کر دیا زینبؑ نے آشکار
بے پردگی کی رسم شرافت سے دور ہے
امکان جس قدر بھی ہو پردہ ضرور ہے

کوفے کی سمت جاتی تھی خاموش بے گناہ — ہر ہر قدم پہ شمر کے تھے ظلم بے پناہ
طے کر رہی تھیں زینب مضطر وہاں کی راہ — ہے کل کی بات باپ جہاں کا تھا بادشاہ
بازو بندھے ہوئے تھے مگر آن بان تھی
مشکل کشا کی چہرۂ زینبؑ پہ شان تھی

رخ کر کے آسمان کی جانب بچشم نم — کہتی ہوئی یہ راہ میں جاتی تھیں دمبدم
درکار ہے مصیبت و غم میں ترا کرم — پروردگار شکر ہے تیرا قدم قدم
درپیش ہے غضب کا سفر کام آئے جا
منزل پہ جا رہی ہوں مرادِ دل بڑھائے جا

زینبؑ کی التجا ہے یہ خلاقِ بادو آب — میں ظلم اٹھاؤں ظلم کرے فوج بے حجاب
عاشور کا وہ دن تھا کہ جس کا نہیں جواب — بھائی تو امتحاں میں ہوئے خوب کامیاب
حسرت یہ ہے کہ تیری ہی الفت میں جان دوں
تو امتحان صبر لے میں امتحان دوں

بھائی ہوئے شہید بڑا نام کر گئے
وعدے کا اک دن میں سر انجام کر گئے
جو کچھ کہا زبان سے اتمام کر گئے
کل انبیاء کو رشک ہے وہ کام کر گئے
غافل نہیں ہوں ایک نفس تیری یاد سے
بے پردگی نہیں ہے مری کم جہاد سے

آتی ہے غیب سے یہ صدا دیکھتے ہیں ہم
وعدے کو کر رہی ہو وفا دیکھتے ہیں ہم
بے پردگی میں صبر کیا دیکھتے ہیں ہم
بھائی سے تم ہوئی ہو جدا دیکھتے ہیں ہم
ہر ہر قدم پہ غیرت الیاس کی طرح
رحمت ہماری ساتھ ہے عباس کی طرح

دنیا میں پرتو مریم و سارا تمھیں تو ہو
بخشش کا عاصیوں کے ذریعہ تمھیں تو ہو
ہوں جس کو لاکھ غم تن تنہا تمھیں تو ہو
زہرا کے بعد ثانی زہرا تمھیں تو ہو
کل عورتوں کے حشر میں اب کام آؤ گی
جو روئیں گی حسینؑ کو تم بخشواؤ گی

بے پردہ تم ہو ظلم و ستم ساتھ ساتھ ہیں
ہم بھی مثال ابر کرم ساتھ ساتھ ہیں
مشکل میں ایک ایک قدم ساتھ ساتھ ہیں
کوئی نہیں ہے ساتھ تو ہم ساتھ ساتھ ہیں
تائید کر رہے ہیں تمھارے خیال کی
تم ڈال لو نقاب ہمارے جلال کی

آواز سن کے شاد تھیں غمخوار شاہ دیں
آمادہ ظلم و جور پہ تھا شمر سا لعیں
یہ اتفاق باب حکومت بھی تھا قریں
خالق سے عرض کرتی ہوئی زینب حزیں
جوہر دکھا کے مثل علی اعتماد کے
دربار میں پہونچ گئیں ابن زیاد کے

عصمت نے دی صدا کہ خبردار ہوشیار — ہے بے نقاب فاطمہ زہرا کی یادگار
ہو با ادب نگاہ اٹھانا نہ زینہار — ابن زیاد ختم ہے دربار کی بہار
قدرت سے بددعا کبھی ٹالی نہ جائے گی
زینبؑ کی آہِ سرد ہے خالی نہ جائے گی

ابن زیاد کہنے لگا با صد احتشام — زینبؑ جہاں سے مٹ گیا سبطِ نبی کا نام
گویا ہوئی یہ جوش میں مجبور و متہام — تیرا خیال ہے متکبّر خیالِ خام
افسانہ کل جہان کہے گا حسینؑ کا
اسلام نام ہو کے رہے گا حسینؑ کا

کہنے لگا لعین کیا میں نے گھر تباہ — انکار کیا کرو گی کہ اسکی ہو تم گواہ
کہنے لگی یہ خواہرِ سلطانِ دیں پناہ — سب کچھ ہوا مگر مرا بھائی تھا بے گناہ
محتاج اب نہیں شہِ عالم مکان کے
اب تو حسینؑ دل میں رہیں گے جہان کے

گویا ہوا شقی کہ نہیں اب کسی کا ڈر — رکھا ہے سامنے سرِ سلطانِ نامور
خود اپنے ہاتھ سے کیا اپنا تباہ گھر — وہ مٹ گیا جو شام کے حاکم کو تھا خطر
ہر دن ہوا کرے گی خوشی روزِ عید کی
اب حشر تک رہے گی حکومت یزید کی

کہنے لگیں یہ حضرت زینبؑ کہ بے حجاب! — گو ہوں اسیر دیتی ہوں اس بات کا جواب
تیرا خیال ہے کہ مٹا جانِ بوتراب — اب حشر تک غروب ہو گا یہ آفتاب
ماتم کرے گی خلق شہِ مشرقینؑ کا
اب سے علم بلند رہے گا حسینؑ کا

ہوں مبتلائے رنج مجھے ہوش ہے کہاں — سبطِ نبی کے بعد ہوا اب مرا امتحاں
اب تک یہ سانحہ نہ ہوا زیرِ آسماں — دو نے ستم اٹھا کے بنائی ہے داستاں
سرخی سے میں مراد ہوں پروانۂ حسینؑ
میں لا رہی ہوں رنگ پہ افسانۂ حسینؑ

یہ سن کے اٹھ کھڑا ہوا غصے میں بےحجاب — کہنے لگا کہ دیتی ہو زینبؑ مجھے جواب
عباسؑ ہیں حیات نہ زندہ ہیں بوتراب — ظالم نے غیظ میں جو کیا دلشکن خطاب
مجبورِ جبرِ وقت سے حق گوش ہو گئی
بیکس نے سر جھکا لیا خاموش ہو گئی

ناگاہ آیا حکم یزیدِ زبوں شیم — ابن زیاد تیرا بڑھے گا خدم حشم
جلدی سے بھیج دے حرمِ سیدِ اُمم — تاخیر ایک آن نہ ہو منتظر ہیں ہم
شاہی جو ہے مزاج میں تاخیر شاق ہے
ناموسِ شہ کے دیکھنے کا اشتیاق ہے

جاری شقی نے حکم کیا بڑھ کے ایکبار — اونٹوں پہ اہلبیتؑ کو جلدی کرو سوار
ہے قیدیوں کا شام کے حاکم کو انتظار — المختصر روانہ ہوئے شہ کے سوگوار
کوفے سے خستہ حال سب اہلِ حرم چلے
اُتری نہ تھی تھکن کہ اسیرِ ستم چلے

تیزی میں قافلہ طرفِ شام تھا رواں — دن رات کر رہی تھیں سفر شاہزادیاں
سچ ہے کہ غم نصیبوں کو راحت بھلا کہاں — رو رو کے یہ پھوپھی سے سکینہ کے تھے بیاں
کیا جانگسل فراقِ شہِ مشرقین ہے
راحت نہ دن کو ہے نہ مجھے شب کو چین ہے

کہتی تھیں دل کو روک کے زینبؑ حزیں — تم مضمحل نہ ہو کہ یہ ہنسنے کے دن نہیں
آتے ہیں شب کو یاد بہت تم کو شاہ دیں — ہے انقلاب وہ ہیں کہیں اور تم کہیں

کہتی ہوئی ہر ایک قدم یا علیؑ چلو
یہ امتحاں کی راہ ہے بی بی چلی چلو

ہوتی نہ تھی تمام کہیں غم کی داستان — تیزی کی وجہ سے تھی مصیبت میں سب کی جان
بالکل تھے میزبانوں کے قبضے میں میہمان — اپنی ضرورتوں سے رکے بھی تو اک نہ آن

اہلِ حرم کو راستے میں غم بڑے ہوئے
ٹھہری نہ سانس اب کہ تم اٹھ کھڑے ہوئے

جلدی میں تھے بہت جو ستمگار و بدیقیں — تھے سخت امتحان میں ناموس شاہ دیں
ایسی تو میزبانوں کی خاطر سنی نہیں — کھانا دیا کہیں یہ تو پانی دیا کہیں

بعد حسینؑ سب کی غضب ابتری ہوئی
چپ تھی سکینہ شمرِ لعیں سے ڈری ہوئی

لیتے بھگا کے تھے شب و روز حیلہ ساز — بے بس تھے اہلبیتِ شہنشاہِ سرفراز
رستے میں تھی یہ حرمتِ احکامِ بے نیاز — جاتے تھے سب اشاروں پہ پڑھتے ہوئے نماز

کن دقتوں سے راہ کی مشکل تمام کی
اہلِ حرم پہونچ گئے سرحد پہ شام کی

سب بی بیوں نے شہر کے باہر کیا قیام — ناقے سے خود اتر نہ سکا وقت کا امامؑ
تکتے تھے ایک ایک کو سجادؑ نیک نام — تھا قافلے میں حضرت زینبؑ کا انتظام

پوچھا نہ آ کے حال کسی بدنصیب نے
بغلوں میں ہاتھ دے کے اتارا غریب نے

ظالم کو انتظار کئی دن سے تھا شدید　　پہونچے خبر جو لے کے غلامانِ زر خرید
سُرخی سی رُخ پہ دوڑ گئی تھا یہ شوقِ دید　　کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا ہنستا ہوا یزید
جامِ شراب پیتے ہی کچھ رنگ اور تھا
حق کی قسم خلافتِ باطل کا دَور تھا

تھے اہلبیتؑ سُست قیامت کا تھا کسل　　وہ آج بڑھ گیا جو غریبوں کو غم تھا کل
شیطان کا محل میں تھا بد ذات کے عمل　　سب خوش ہوئے تو ہو گئی ہر سو چہل پہل
نوبت کے ساتھ فتح کے باجے بھی بج گئے
اک دم سے عید ہو گئی بازار سج گئے

کہنے لگا یہ شمرِ ستمگار و بد شعار　　ناقوں پہ اہلبیتِ نبیؐ جلد ہوں سوار
دربار میں ہو شام کے حاکم کو انتظار　　جلدی کا وقت ہے نہ ہو تاخیر زینہار
یہ حکمِ بادشاہ ہے تعمیل چاہیئے
ہے اشتیاقِ دید کا تعجیل چاہیئے

اہلِ حرم کو سُن کے غضب کا ہوا ملال　　بے پردگی کا سب کو قیامت کا تھا خیال
زینبؑ نے دی صدا کوئی لیجئے کیا مجال　　کہنے لگے ادب سے یہ سجادؑ خوش خصال
سب کچھ ہے اختیار مگر جبر چاہیئے
ہے اے پھوپھی خدا کی خوشی صبر چاہیئے

ناقوں پہ پھر سوار ہوئے اہلبیتِ شاہ　　سب قافلے کو لیکے چلا شمرِ روسیاہ
آگے تھے سب کے سیدِ سجادِ بے گناہ　　اُنکے عقب میں حضرتِ زینبؑ بدرد و آہ
سینوں میں سب کے دم تھے الم سے رُکے ہوئے
بے پردگی کی شرم سے تھے سر جھکے ہوئے

رُک رُک کے چل رہے تھے ستمگار و بدگہر
راہیں تمام بند تھیں مجمع تھا اس قدر
ناموس شہ حیا سے اُٹھاتے نہ تھے نظر
خوش ہو کے دیکھتے تھے تماشا سب اہل شہر
زرّیں لباس سب کی نگاہیں لڑی ہوئی
کوٹھوں پہ عورتیں تھیں وہ بے پردہ کھڑی ہوئی

بچوں کو زندگی تھی مصیبت سے اپنی بار
تکتے تھے ایک ایک کو حسرت سے بار بار
یہ حال تھا کہ چہروں سے غربت تھی آشکار
کہتی تھی بھوک ہم ہیں کرم کے امیدوار
میلا لباس گرد میں کپڑے اَٹے ہوئے
دامن تھے چاک چاک گریباں پھٹے ہوئے

جاتے تھے اہلبیت حسینؑ ننگے سر
عبرت کی پڑ رہی تھی ہر اک شخص کی نظر
نیزوں پہ ساتھ تھے شہدا کے تمام سر
تھا سب کے آگے فرقِ شہنشاہِ بحر و بر
اس شان سے گذر رہا تھا راہِ شام سے
سوکھی زبان تر تھی خدا کے کلام سے

کیا بدنصیب راہ پہ تھا قافلہ رواں
باجے خوشی کے بجتے تھے تھا حشر کا سماں
سر برہنہ گذر رہی تھیں شاہزادیاں
ہر آن بڑھ رہی تھی مصیبت کی داستاں
ناگاہ اہلبیت حسینؑ شہید کے
بازار سے پہونچ گئے در پر یزید کے

آئینہ بندیاں تھیں ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
پہونچے حرم رسولؐ کے بحالت تباہ
ناقوں سے اُترے سب حرم شاہ دیں پناہ
باندھا سبھوں کو شمر نے رسّی میں بے گناہ
تھی ڈر سے بنت شاہِ مدینہ چھپی ہوئی
زینبؑ کی آڑ میں تھی سکینہ چھپی ہوئی

حد سے سوا تھا زینبؑ و کلثومؑ کو ہراس — دونوں تھیں نیزۂ سرِ سبطِ نبیؐ کے پاس
تھا وقت سخت سب کی بندھی تھی صدائے یاس — عرصے سے سب عزیزوں نے بدلا نہ تھا لباس
میلوں کا تھا سفر جو ہر اک سوگوار کا
پردہ پڑا تھا سب کے رخوں پر غبار کا

دربار میں تھے جمع رئیسانِ باوقار — تفریح کے تھے سیکڑوں اشرار امیدوار
تھی صدر میں یزید کی کرسی زرنگار — ظالم نے خادموں کو دیا حکم ایک بار
میں منتظر ہوں فتح کے منظر کو لیکے آؤ
باہر سے اہلبیتؑ پیمبرؐ کو لیکے آؤ

خدام نے نکل کے کہا قیدیوں کو لاؤ — ہے حکمِ بادشاہ کہ سب کو ابھی بلاؤ
سرداروں کو اشارہ کیا ہاتھ سے کہ آؤ — غصے میں شمر نے یہ صدا دی قدم بڑھاؤ
انعام لوں گا شاد کروں گا یزید کو
دنیا ہے نذر فرقِ حسینؑ شہید کو

بس غیظ میں یہ حضرت زینبؑ نے دی صدا — دربار ہے بھرا ہوا کوئی نہ جائے گا
اللہ کوئی ظلم کی ہوتی ہے انتہا — آ کے قریب کہنے لگا شمرِ بے حیا
میں فاطمہؑ کو خلدِ بریں میں رلاؤں گا
زینبؑ اسی طرح سے تمھیں لیکے جاؤں گا

گویا ہوئیں غضب میں یہ زینبؑ بدرد و آہ — بھولا ہوا ہے اپنی حکومت پہ کینہ خواہ
حق التجا سنے گا مری میں ہوں بے گناہ — کردوں گی بددعا سے میں دربار کو تباہ
اُف کر کے آگ سارے محل میں لگا دوں گی
کپڑے مرے پھٹے ہیں میں ہرگز نہ جاؤں گی

رُخ کو پھرا کے پھر یہ سکینہ کو دی صدا تم میرا ساتھ دو کہ ہے وقت امتحان کا
آمین تم کہو کہ میں کرتی ہوں بد دعا اور شمر سے کہا کہ ہو ہشیار بے حیا
لائے گا رنگ خون حسینؑ شہید کا
اے تو بھی کہ تخت نہ الٹوں یزید کا

کہنے لگے پھوپھی سے یہ سجادِ خوش سیر بابا کے سر کی سمت ذرا کیجئے نظر
اب جو نظر اُٹھائی تو وہ سوختہ جگر دیکھا کہ رو رہا ہے سرِ شاہِ نامور
منت کا تھا جو وقت سرِ شاہ جھک گیا
جو بد دعا کو اُٹھ رہا تھا ہاتھ رُک گیا

زینبؑ کو فرقِ سبطِ پیمبرؐ نے دی صدا باقی ہے امتحاں کا یہی ایک مرحلہ
دیتا ہوں تم کو اپنی شہادت کا واسطہ دیکھو خدا کے واسطے کرنا نہ بد دعا
مرکز سے اپنے رنج سے ہٹ جائیگی زمیں
دیکھو گی آسماں پہ الٹ جائیگی زمیں

ہے وقت امتحاں کا نہ شکوہ زباں پہ لاؤ یہ معرکہ عظیم ہے جلدی قدم بڑھاؤ
منت سے کہہ رہا ہوں مشقت مری بچاؤ دربار میں خدا کی خوشی ہو خوشی سے جاؤ
ہو گی تمھاری وجہ سے شہرت حسینؑ کی
زینب تمھارے ہاتھ ہے محنت حسینؑ کی

محشر کے روز پیشِ خدائے ذوالاحترام بخشش کا ہو گا میری شہادت سے انصرام
جن کا نہ اُس کے بعد بھی کچھ ہو گا انتظام بے پردگی بنائے گی اُن عاصیوں کے کام
اُمت کی مغفرت میں ہے کوشش حسینؑ کی
زینبؑ یہ آخری ہے سفارش حسینؑ کی

ان منتوں سے کہتے تھے شاہنشہ زمن	سیدانیوں کو کچھ نہ تھی گنجائش سخن

آگے چلے جو حضرتِ سجّاد بے وطن	بھائی کی تھی خوشی تو روانہ ہوئی بہن

دربار میں بصد غم و ہم سب چلی گئیں

سر کو جھکا کے حضرت زینب چلی گئیں
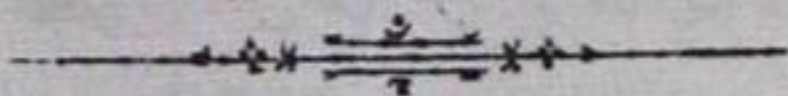
بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوتھا مرثیہ

یہ مرثیہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے حال کا ہے جو ۱۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۷۷ ہجری مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۵۹ء کو تمام کیا۔ اور ۲۴ رجب کو جناب چھبن صاحب کی سالانہ مجلس میں میں پڑھا گیا۔

مطلع

ہر طرف حشر کے آثار نظر آتے ہیں

بند ۱

ہر طرف حشر کے آثار نظر آتے ہیں　　دل سے جو دوست تھے اغیار نظر آتے ہیں
چھوڑنے کے لیئے تیار نظر آتے ہیں　　سب کے بدلے ہوئے اطوار نظر آتے ہیں
رشک کی آگ سے اُڑ جاتے ہیں پارے کی طرح
کہیں رُکتے نہیں بہتے ہوئے دھارے کی طرح

مترادف ہیں گناہوں کے قدیمانہ رسوم　　لفظ کہنہ کا سمجھ میں نہیں آتا مفہوم
وضع داری ہوئی دنیا سے کچھ ایسی معدوم　　کیا تھی یہ بھی تو نہیں آج کسی کو معلوم
دل میں جو بھی صداقت تھی وہ ہیہات گئی
یہ مثل ہو گئی سچ رات گئی بات گئی

ہے تو مطلب کی ملاقات محبت کیسی
کام نکلا ہے یہی فکر ہے الفت کیسی
ہائے آئی ہے زمانے میں قیامت کیسی
مکر کے بھیس میں چلتی ہے سیاست کیسی
جو صداقت کا تھا عنوان وہ عنوان نہیں
دوست دشمن کی اب اس عہد میں پہچان نہیں

رات دن لیکے غرض بزم میں آتے ہیں ضرور
کہتے رہتے ہیں ہر اک بات میں سرکار حضور
کام نکلا تو یہ ہو جاتے ہیں ایسے مستور
جیسے یہ مل گئے اُن سے کہ جو ہیں جان سے دور
یہی رفتار زمانے کی نظر آتی ہے
پھر کبھی خود نہیں آتے ہیں خبر آتی ہے

ہیں خوشامد کے سبھی ان کو طریقے معلوم
کبھی کہتے ہیں کہ ہے آپ کا ثانی معدوم
کبھی تعریفِ پدر جیسے ثنائے معصوم
کبھی کہنا تھے ملک آپ کے جدِ مرحوم
صفت و حمد کے دریا سے ملا کے دریا
دُرِ مقصود کو پاتے ہیں بہا کے دریا

بعض ایسے بھی ہیں اس دور میں اخلاص پسند
جن کی ہر وقت خوشامد کی زباں رہتی ہے بند
جن کا آئینہ ہے دل وضع کے جو ہیں پابند
جن کی آوازِ محبت نہیں ہوتی ہے بلند
ایسے ملتے نہیں اس عہد میں ملنے والے
یہی غنچے تو ہیں بے فصل کے کھلنے والے

یہ وہ شیشہ ہیں کہ جس میں کبھی پڑتا نہیں بال
بیوفائی کا تو آتا ہی نہیں دل میں خیال
یوں نہ ہو ان کی صداقت کی یہ معراج کمال
ملتی ہے ڈھونڈھنے سے عہدِ گذشتہ میں مثال
شائبہ نقص کا جس میں ہو کبھی ہو وہ نہیں
اس زمانے میں پر ایسوں کی کوئی قدر نہیں

وقت ملتا نہیں گنجائش آرام نہیں — چین جس میں ہو کوئی صبح کوئی شام نہیں
میرے قابو میں کسی دم دلِ ناکام نہیں — دور ہی وہ ہے کہ راحت کا کہیں نام نہیں

خاص موضوع جو ہے تشنہ دہانی میرا
مرثیہ کیوں نہ ہو اس عہد میں پانی میرا

جس طرح سارا زمانہ ہے مصیبت کا شکار — اس طرح میں بھی ہوں اک مجمعِ رنج و افکار
خاندانی ہوں جو مداحِ امامِ ابرار — مرثیہ میرا نہ کس طرح ہو جلدی تیار

میری امداد بشکل اب جو کرتے ہیں
جن کا مداح ہوں وہ میری مدد کرتے ہیں

رنگ سے دور نہ کیونکر ہوں مرے سادہ بند — بانیِ ادا کے طریقے کا ہوں اب تک پابند
نظم آزاد نہ اُن کو تھی نہ مجھ کو ہے پسند — مدحِ حق کے فیض سے ہو جاتی ہے تخئیل بلند

جب حدِ طائرِ سدرہ سے نکل جاتی ہے
قابَ قوسین کی منزل یہ نظر آتی ہے

نہ مقلد ہوں زمانہ کا نہ آزادی ہے — سادے مصرعے ہیں تو ہر بیت مری سادی ہے
نظم گوئی کی فقط طبع مری عادی ہے — میں ہوں ناواقفِ فن یہ مری اُستادی ہے

مبتدی لاکھ ہوں میں کچھ نہیں آتا مجھ کو
سب سمجھتے ہیں بڑا جاننے والا مجھ کو

ہاں بزرگوں میں تو گذرے ہیں بڑے اہلِ کمال — جن کی ہستی ہو تو بس اُنکے زمانے میں مثال
کیا تھے سب جانتے ہیں عشق و تعشق کا حال — ماہرِ فن تھے مؤدب ذہن نیک مآل

نہ تو دلکش ہے مری نظم نہ مقبول ہوں میں
اسی گلزار کا کمھلایا ہوا پھول ہوں میں

فن کی تحقیق ہو اس دور میں بالکل بیکار
شاعری کا نہیں اس عہد میں کوئی معیار
کہہ کے بدلے ہوئے انداز میں غزلیں دو چار
میر و غالب کی بھی تقلید سمجھتے ہیں عار
کیوں نہ دنیا انھیں ہر قید سے آزاد کہے
جب یہ جدت ہے زمانہ ہمیں استاد کہے

کیا پڑھے بزم سخن میں کوئی نظم عالی
آجکل مدح و تسنیخ سے نہیں ہو خالی
دل کے ارماں کی نہ کیوں بزم میں ہو پامالی
شعر پڑھیئے تو بجاتا ہے زمانہ تالی
تھا جو تعریف کا عنوان وہ عنوان نہیں
ہے حقیقت کہ بناتے ہیں یہ پہچان نہیں

ہائے افسوس زمانے کا ہے معیار عجیب
صاحب فن کسی قابل نہیں گر ہے وہ غریب
وہ کوئی کام ہو لازم ہو کہ اچھے ہوں نصیب
جب کسی عہدے پہ فائز ہو تو ہوتا ہے ادیب
بزم میں داد سخن حد سے سوا ملتی ہے
صدر میں صاحب اقبال کو جا ملتی ہے

انقلابات زمانہ کی جو ہے خاص نگاہ
وہ ہیں لاکھوں جو ہیں دنیائے غزل میں گمراہ
وہ بہت کم ہیں فن شعر سے ہیں جو آگاہ
آجکل مرثیہ خوانی کی بھی حالت ہے تباہ
مطمئن دل ہے کہ رنج و غم دہم سہتے ہو
پوچھتا ہی نہیں کوئی کہ کہاں رہتے ہو

لکھنؤ میں تھا کبھی مرثیہ خوانی کا شباب
ایسے استاد فن شعر یہاں تھے نایاب
جن کا پیدا نہ ہوا اور نہ اب ہوگا جواب
تھے فدا ان کے کمالات پہ سب شیخ و شاب
منظر دلکشی در در نظر دیکھتے تھے
سب کی اٹھ جاتی تھیں نظریں وہ جدھر دیکھتے تھے

فن کی تھی شکل پڑھائی کا یہ تھا خاص اثر سامنے آنکھوں کے پھر جاتا تھا گویا منظر
تھی یہ خوبی ادا ہاتھ اٹھاتے تھے جدھر سارے مجمع کی اُسی سمت کو پھرتی تھی نظر
جب وہ پڑھتے تھے کہ میداں میں دلیر آتا ہے
ڈر کے مجلس یہ سمجھتی تھی کہ شیر آتا ہے

فقر میں رکھی سدا عزت و توقیر کمال حسرتیں ہو گئیں دنیا میں ہزاروں پامال
لائے دل میں نہ کبھی شوکت و حشمت کا خیال نہ کیا مدح سے دولت کا کبھی استقبال
جز حسینؑ ابن علیؑ غیر کی توصیف نہ کی
ہو گئی حد کہ شہنشاہ کی تعریف نہ کی

تھے نہ وہ صاحبِ دولت نہ زمانے کے امیر اُن کی جانب جو بڑھے عزت و جاہ و جاگیر
تو نظر بھر کے نہ دیکھا طرفِ تاج و سریر کہہ دیا صاف کہ میں ہوں درِ سرور کا فقیر
غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

پڑھے اخلاص سے کی مدح شہ عرش پناہ مجلسیں پڑھ کے کبھی کی سوئے دولت نہ نگاہ
کل کی ہے بات ابھی سارا زمانہ ہے گواہ تھی جدا عشق و تعیش کی زمانے سے راہ
عمر بھر گھر سے کہیں عاشقِ سرور نہ گئے
کبھی پڑھنے کے لیے شہر سے باہر نہ گئے

مخلص ایسے بھی تھے مداحِ امامِ دلگیر اس قدر خلق میں کی مدح شہ عرش سریر
اس قدر رکھ کے سوئے خلد گئے خوش تقدیر کہہ اٹھا سارا جہاں فرد تھے عالم میں دبیر
خود نظر سے مری گزرا ہے ابھی ہے موجود
بیس جلدوں کے سوا گھر میں ابھی ہو موجود

آ گئی ختم پہ جو کچھ تھی کہانی باقی اب نہیں شوق کے دریا کی رَوانی باقی
چند وہ جو ہیں بزرگوں کی نشانی باقی اِن کے دم سے ہے فقط مرثیہ خوانی باقی
گل مدحت نہ گلستاں سے چنے گا کوئی
نہ کوئی دل سے پڑھے گا نہ سنے گا کوئی

یہ غنیمت ہے کہ زندہ نہیں آج اہل ہنر زندگانی انھیں دو روز کی ہوتی دوبھر
انقلابات پہ اِس عہد کے کرتے جو نظر خود یہ کہتے کہ یہاں ہم نہ رہیں گے دم بھر
آہیں کرتے ہوئے دنیا سے گذر جائینگے
وہ کشاکش ہے کہ بے موت کے مر جائینگے

اپنے قابو میں کہاں دل کو بشر پاتا ہے ہر نفس حشر کے لانیکی خبر لاتا ہے
کوئی بنتی نہیں تدبیر جدھر جاتا ہے دیکھئے جس کو پریشان نظر آتا ہے
گر سبب کیجیئے دریافت زدہ حالی کا
سب یہ کہتے ہیں نتیجہ ہے بداعمالی کا

جن کو خالق نے دیئے ہیں حشم و جاہ و جلال اُن کے دلمیں نہیں کچھ خوف خدائے متعال
جتنا آتا ہے خزانے میں پہونچ جاتا ہے مال اُنکی خست کا یہ پہونچا ہے زمانیمیں حال
قلزم دولت دنیا میں بہے جاتے ہیں
ہو گیا نام کہ قارون کہے جاتے ہیں

اس قدر آمدنی ہے کہ نہیں جس کا شمار گوشے گوشے میں خزانے کے ہے زر کا انبار
جمع کے شوق میں جو سو کو بناتے ہیں ہزار انگلیوں پر وہ کیا کرتے ہیں ہر وقت شمار
بن کے بگڑے گی اگر عہد خراب آئے گا
نہیں معلوم کبھی روز حساب آئے گا

گر کے زر کی یہ صدا آتی تھی کہ سنبھالو مجھ کو — دائمی قید میں لِلّٰہ نہ ڈالو مجھ کو
خیر بڑھ بڑھ کے یہ کہتی تھی بلالو مجھ کو — خمس دیتا رہا آواز نکالو مجھ کو
نہ کرو غصب کسی بیکس و ناشاد کا حق
حق معصوم ہے معصوم کی اولاد کا حق

نہ غریبوں کو دیا مال نہ خود ہی کھایا — کٹ گئی عمر نہ دولت کا کوئی لطف آیا
آگیا وقت ضعیفی کا تو دل گھبرایا — جب بہت مانگا تو بچوں کو یہی سمجھایا
ساتھ ہم دولت دنیا نہیں لیجائیں گے
صبر کچھ دن تو کرو سب تمھیں دے جائیں گے

بعض تو نشۂ دولت سے ہیں اس درجہ چور — اُن کی ہر وقت چڑھی رہتی ہیں آنکھیں مخمور
گھر میں اس واسطے رہتے ہیں رہیں خیر سے دور — جو سمجھتے ہیں کیا مانگ کے سائل نے قصور
نہ جزا لیتے ہیں یہ خواہاں نہ جزا دیتے ہیں
کچھ نہ دیکے یہ غریبوں کو سزا دیتے ہیں

تھی بہت آمدنی جمع کیئے لعل و گہر — مال ہوتے ہوئے کی عُسرت و غربت میں بسر
جان دیدی نہ دیا راہ میں خالق کی زر — الغرض تا دم آخر رہی خسّت پہ نظر
عمر بھر آکے نہ گھر سے کبھی دولت نکلی
روح بھی جسم سے نکلی تو بدقت نکلی

بیوفائی سے ہمیشہ یہ ہی ہے بدنام — گھر سے جاتی ہو تباہی کا یہ دیکے پیغام
اس لیئے روکا کہ آئے گی بُرے وقت میں کام — سامنے آکے کیا موت نے جو وقت سلام
جو خزانے کی زمانے سے تھی عادی دولت
وہی اولاد نے دو دن میں اڑا دی دولت

ورثہ داروں کا تو در سے تھا دلکا ارماں
بند ہو آنکھ کہیں جلد ملے مال جہاں
آگیا وقت مسافر ہوا دنیا سے رواں
عشق یوں اہل زمانہ پہ کیا مر کے عیاں

نہ اُٹھوں گا کہ ہے دولت سے محبت مجھ کو
دی صدا لاش نے ہے زر کی ضرورت مجھ کو

تھا مسافر کے لیئے سب سے سوا وزن ثروت
خمس کا بوجھ تھا سامان سفر میں ہیہات
صورت کوہِ گراں فرق پہ تھے صوم و صلوٰۃ
عالم یاس تھا جب ختم ہوا دورِ حیات

خود تو عصیاں کی گرانی سے نہ جاتا اُٹھا
چار نے مل کے اُٹھایا تو جنازہ اُٹھا

جانبِ والا تھا غضب جان سے اپنی بیزار
اس طرف سانس کا تھا مال کا اس سمت شمار
ایک نسبت سے جو تھا صاحب دولت بیمار
کچھ دنوں قبل سے طے ہو چکی تھی جائے مزار

صرف دو گز تو کفن پا گیا زر چھوٹ گیا
بعد مرنے کے لحد مل گئی گھر چھوٹ گیا

دل نہ اے اہل جہاں دولت دنیا سے لگاؤ
جسقدر رزق ہے تمہیں کھاؤ غریبوں کو کھلاؤ
بیٹھ کے عالم ایجاد میں عقبیٰ کو بناؤ
خلق میں آئے تھے روتے ہوئے ہنستے ہوئے جاؤ

یوں مرو گے تو دم اُلفت کا بھرے گی دنیا
خیر سے شام و سحر یاد کرے گی دنیا

کبھی ہوتی ہے جہاں میں سبب عزت و جاہ
کبھی کر دیتی ہے اک آن میں شاہوں کو تباہ
کیوں نہ ہو خلق خدا جرأت و ہمت کی گواہ
ایک دن ایک مسافر کی ہوئی سد راہ

وہ ندامت کا مزہ بعد کو چکھا اس نے
سب نے دیکھا ہے کہ سر پاؤں پہ رکھا اس نے

ناز و انداز دکھانے میں یہ دولت ہے طاق　　ساعتیں ہجر کی ہوتی ہیں زمانے کو شاق
جان دیدیتے ہیں عشاق جو ہوتا ہے فراق　　تیسری بار علیؑ نے جو دیا اس کو طلاق
طائر ہوش ہوئے دنگ بد انجام گئی
اب جو کوفے سے اڑی یہ طرف شام گئی

شام میں جا کے کیا اس نے بڑا حشر بپا　　یہ بالاعلان ہوئی دشمن زوج زہراؑ
نہ کیا خوف پیمبر نہ کیا خوف خدا　　برسوں کہتی رہی معصوم کو منبر پہ برا
ایک دن حکم خدا پاتے ہی منھ موڑ دیا
جس کی مالک تھی دنیا میں اسے چھوڑ دیا

ہمتیں اور بڑھیں آئی جو اولاد کے پاس　　تھی جو کم ظرف تو باقی نہ رہے ہوش و حواس
روز اول سے جو تھی اپنی بقا سے مایوس　　ایک دن دی خبر ہمت منحوس اساس
اسی کمبخت کا تو لے کے سہارا اٹھا
قتل سرورؑ کو یزید ستم آرا اٹھا

عرض کی دولت دنیا نے یہ پیش سرور　　دیکھتے تھے نظر غیظ سے مجھ کو حیدرؑ
میں بھی خاموش تھی زندہ تھا وہ شیر داور　　آپ کو جان نبیؐ اب نہیں بیعت سے مفر
سن کے یہ بات ولی ابن ولی کیا ڈرتے
کسی تو سنے حسینؑ ابن علیؑ کیا ڈرتے

شہ نے غصہ میں دیا بڑھ کے یہ دولت کو جواب　　بحر دنیا میں سمجھتا ہوں تجھے مثل سراب
کہنے والے سے یہ کہہ دیکھ نہ طوفاں کا خواب　　اس کی تعبیر ہے بہتا ہوا دھارے پہ حباب
لے گا ٹکر جو مری ہمت و جرأت کا جہاز
پھر نہ ابھرے گا کبھی بیٹھ کے بیعت کا جہاز

گھر گئے دشتِ مصیبت میں جو شاہِ جمہور
آ گیا لے کے خبر حشر کی روزِ عاشور
پسرِ سعد کو تھا کثرتِ لشکر پہ غرور
اصل میں جنگ نہ تھی سبطِ نبی کو منظور
خود پئے فوجِ شقی آپ کے دل کافی تھے
بعدِ شبیرؑ کے عباس علیؑ کافی تھے

بے وفا سب تھے اُدھر سب تھے وفادار اِدھر
سب سمجھتے تھے وفا کو ہے بشر کا جوہر
کم تھے انصار مگر سب کی وفا پر تھی نظر
سب وفاداروں کا سردار تھا جانِ لشکر
خلق میں تذکرۂ صدق و صفا باقی ہے
آج تک جن کے سبب نامِ وفا باقی ہے

یوں تو دنیا میں لیا کرتے ہیں سب نامِ وفا
سب کو معلوم ہے آغاز اور انجامِ وفا
ہے غلط جو کبھی کہے ہم نے پیا جامِ وفا
ایک ہستی نے دیا خلق کو پیغامِ وفا
ضو وہ شیشے میں کہاں نور جو الماس میں ہے
سارے عالم کی وفا حضرتِ عباس میں ہے

یہ وہ ذات جو دریا سے پھری تشنۂ آب
فرد اک اور بھی ہے مثل ہی جن کا نایاب
جس کا مشہور جہاں ثانیٔ زہرا ہے خطاب
یہی وہ دو ہیں کہ اک ایک کا ان میں ہے جواب
ایک نے دادِ وفا لے کے ترائی لے لی
ایک نے سر کو ردا دے کے خدائی لے لی

روزِ عاشور بھی پابندِ وفا تھیں زینبؑ
ختم جس وقت ہوئے ناصرِ شہ سب کے سب
آئے رخصت کو جو عباسؑ علی نیک لقب
رخ پہ ڈالی نظر غور تو سمجھیں مطلب
صبر سے کام بہرحال لیا زینبؑ نے
علمِ حیدرِ کرار دیا زینبؑ نے

سب سے رخصت ہوئے زوجہ کو بہت سمجھایا — لاکھ الفت تھی نہ بچوں پہ مگر پیار آیا
ایک منظر نے کلیجہ کو سوا تڑپایا — شیر دل آپ تھے آنکھوں میں اندھیرا چھایا
آب درکار جو ہے تشنہ دہانی کے لیے
مشک دی دختر شبیرؑ نے پانی کے لیے

ڈال کے سب یہ نظارے کے چلا مشک و علم — پردۂ در کو ہٹاتا ہوا نکلا ضیغم
کر رہی تھی جو مبارز طلبی فوج ستم — بڑھتا جاتا تھا بل ابرو کا تو گیسو کا خم
ہوش اڑ گئے فوج کے کھایا جو ولی کا دھوکا
ہو گیا طائر سدرہ کو علیؑ کا دھوکا

دھوپ میں تھے نہ دیں رخ تھا کوئے اہل عناد — مڑ کے فرمانے لگے بادشہ نیک نہاد
دیکھو عباسؑ دمِ جنگ رہے قول یہ یاد — کوشش آب دکھائے نہ لگے شکل جہاد
جنگ میں رحم ہو اسلام کے بانی کی طرح
خون اعدا کا نہ بہنے لگے پانی کی طرح

عرض عباسؑ نے کی ہو کے وفا سے مجبور — طالب اذن ہوں اس وقت میں حسب دستور
ہے سکینہؑ کو عطش نہر پہ جانا ہے ضرور — بھر کے پانی ابھی لاتا ہوں میں شاہ جمہور
جان بچوں کی ہے خطرے میں اجازت دیجے
شرع بھی اب تو یہ کہتی ہے کہ رخصت دیجے

سن کے خاموش ہوئے بادشہ عرش وقار — تھا اشارہ جو رضا کا تو ہوا خوش غمخوار
سوئے اصطبل چلا تیز وفا کا معیار — خود علمدار دلاور نے نکالا رہوار
کر کے آداب ادا جنگ پہ تیار ہوئے
اسد حق کی طرح رخش پہ اسوار ہوئے

باگ لی اسپِ سُبک سیر بصد ناز چلا — مرکزِ حسن دکھاتا ہوا انداز چلا
پشت پر بارِ وفا لے کے خوش آغاز چلا — ملک الملک پکارے مرا دمساز چلا
ہیبتِ اسوار کی پیغامِ فنا لائے گی
شکلِ رہوار میں اعدا کی قضا آئے گی

ہے رواں نشۂ الفت میں جو گلگون جری — اک عجب کیف میں ہو عالمِ خشکی و تری
دوش پر یال ہے کھولے ہوئے زلفوں کو پری — بھیس بدلے ہوئے آتی ہے نسیمِ سحری
فرسِ تشنہ جگر رنگ یہ دکھلاتا ہے
رن میں بہتے ہوئے پانی کی طرح آتا ہے

تابعِ رعب بنا تھا دلِ اعدا کا ہراس — جتنا آتا تھا قریب اتنے ہی جاتے تھے حواس
سوئے لشکر تھا رواں رخشِ جنابِ عباسؑ — کہتی تھی تیزیٔ رفتار سکینہؑ کو ہے پیاس
کہ نظر دوختہ ہے دل کی تمنا کی طرف
رُخ ہے لشکر کی طرف آنکھیں ہیں دریا کی طرف

تھا رواں شبلِ علیؑ عاشقِ شیدائے امام — کششِ ابرو کی بتاتی تھی کھنچے گی صمصام
تھی صدا غیظ کی ہے مدِ نظر قتلِ عام — کہ ہلی رن کی زمیں کانپ گیا لشکر تمام
دی صدا بیک نے ہشیار دلیر آتا ہے
جنگ کرنے اسد اللہ کا شیر آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ ہوا عینِ وفا رن میں عیاں — آگیا سامنے لشکر کے علیؑ کا دلِ جاں
ڈال دی اک نظرِ غیظ سوئے فوجِ گراں — تھم گیا رخشِ جری چھوڑ دی غازی نے عناں
عجب انداز سے میدان میں آ کے ٹھہرا
تھا جو منھ زور دہانے کو چبا کے ٹھہرا

یوں رجز خواں ہوئے میداں میں شیدائے امام
اسداللہ پدر تھے مرا عباسؑ ہے نام
مجھ کو کرنا ہے زمانے میں مگر خاص یہ کام
خود فنا ہو کے سنا دوں میں وفا کا پیغام
یہی جوہر ہے حقیقت میں وفاداروں کا
سر پہ سایہ ہو چمکتی ہوئی تلواروں کا

موت کا خوف ہو مجھ کو نہ ہو تیغوں سے خطر
کر چکا وقف رہِ عشق و وفا اپنا سر
اسداللہ کا دل ہوں اسداللہ کا جگر
میں ابھی چاہوں تو بنا لوں درِ کوفہ کو سپر
کیوں نہ ہو مجھ میں اثر غالبِ ہر غالب کا
مقصدِ دل ہوں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کا

ہو اگر کامل الایمان وفاداری میں
کیوں نہ مشہور ہو انسان وفاداری میں
ہے عجب زور عجب شانِ وفاداری میں
ہے مرے دم سے وفا جانِ وفاداری میں
خادمِ دخترِ سلطانِ مدینہ ہوں میں
آج سے خلق میں سقائے سکینہ ہوں میں

نام آیا جو لبوں پر تو بڑھی حیرانی
پیاس یاد آتے ہی یاد آ گیا بہتا پانی
راہ روکے ہوئے تھے ظلم و جفا کے بانی
ہو آمادہ لڑائی پہ علیؑ کا جانی
نگہِ غیظ سے پہلے سوئے اعدا دیکھا
تن کے رہوار پہ پھر جانبِ دریا دیکھا

تاب لا یا نہ ٹھہرنے کی علیؑ کا ضرغام
ہاتھ قبضہ پہ گیا کھینچ لی غازی نے حسام
چاہتا تھا کہ ہٹے پچھلے قدم لشکرِ شام
جا پڑا شیر صفت فوج پہ شیدائے امامؑ
بن کے بجلی کا نمونہ دمِ پیکار چلی
نہر تک غل ہوا عباسؑ کی تلوار چلی

چار سُو حضرتِ عباسِ علیؑ کرتے ہیں وار کبھی اُس سمت کبھی اس طرف اٹھتا ہے غبار
راہ ملتی نہیں لاشوں کے لگے ہیں انبار ہٹ گئے لے کے علم نہر کی جانب سردار
آئی ہے رن میں قضا فوج کی تلوار کے ساتھ
طائرِ ہوش اُڑے جاتے ہیں جھنکار کے ساتھ

دی بن سعد نے سرداروں کو آواز کہ آؤ پہلوانوں کو حفاظت کیلئے جلد بلاؤ
ہے سوئے نہر غضنفر کی نگاہوں کا لگاؤ خوف پیاسے کا بڑھا تھم گیا پانی کا بہاؤ
زلزلے میں ہے ترائی وہ دلیر آتا ہے
بھائیو گھاٹ سے ہشیار کہ شیر آتا ہے

گو بہت جان کے دشمن ہیں دلاور کے پاس پھر بھی مایوس نہیں فخرِ جنابِ الیاسؑ
جتنی بڑھتی ہے وہاں گھر میں سکینہ کی پیاس اتنے بڑھتے ہیں یہاں جانبِ دریا عباسؑ
خلق سے داد وفا حق کے فدائی لے لو
تشنگی کہہ رہی ہے بڑھ کے ترائی لے لو

روزِ روشن سیہ شام کی نظروں میں تھا رات ہاں گل جنگ نئے جوش میں تھا نیک صفات
نگہ شوق تھی لڑنے میں مگر سوئے فرات ناگہاں تلخ ہوئی ہر ستم آرا کی حیات
جنگ کرتے ہوئے عباسؑ علیؑ جا پہونچے
خون کی نہر بہا کے لبِ دریا پہونچے

اب میدانمیں رسالے ہیں نہ باقی سردار سب علم خاک پہ ہیں آئینہ گرد و غبار
ڈر سے خیمہ میں چھپا ہے بن سعدِ مکّار رُخ آنکھیں ہیں اسد کھیل چکا رنمیں شکار
کھولے ہیں بندِ قبا غیظ پہ غیظ آتا ہے
تشنہ لب شیر ترائی کی ہوا کھاتا ہے

تھا جو تعجیل میں شیدائے امام ابن امامؑ   مڑ گیا پا کے اشارہ فرس نیک انجام
چلا ساحل سے جو دریا کی طرف وہ خوش گام   خضر نے دوڑ کے خود روک لی گھوڑے کی لجام
خاتم عشق و محبت کا نگینہ آیا
غل ہوا نہر میں پیاسوں کا سفینہ آیا

کس زباں سے ہو بیاں مدح و ثنائے عباسؑ   نہ ہٹے جادۂ حق سے کبھی پائے عباسؑ
آئینہ بن گیا تھا آب برائے عباسؑ   صاف آتی تھی نظر شکل وفائے عباسؑ
نہر میں آکے دم تشنہ دہانی نہ پیا
آگ سی دل میں لگی رہ گئی پانی نہ پیا

تشنہ لب کے لئے ہو جائے جو دنیا پانی   دل کی تسکین کا ہو کیوں نہ ذریعہ پانی
سامنے زور میں بہتا رہا ٹھنڈا پانی   کیا وفا تھی کہ نظر بھر کے نہ دیکھا پانی
وہ حد صبر و تحمل تھی جہاں پاس نہ تھی
دیکھنے والے یہ سمجھے کہ انھیں پیاس نہ تھی

کھول کے مشک علم سے یہ کیا دل سے خطاب   امتحاں کا ہے یہی وقت نہ ہونا بیتاب
جان لے آج چمکتے ہوئے پانی کو سراب   آبرو خلق میں انسان کی موتی کی ہے آب
ہے زیبا نیکی نظر تشنہ دہانی کی طرف
تو ٹھہر دیکھ کے بہتے ہوئے پانی کی طرف

لے کے مشکیزے کو ہاتھوں پہ ہوا خوش وہ جری   کی سکینہؑ کی امانت پہ محبت کی نگاہ
یاد تھی تشنگی بنت شہ حق آگاہ   تھا وفادار جہاں جان و دل شیر الٰہ
تھی جو تعجیل تو عجلت سے دہانا کھولا
مشک کا دست محبت سے دہانا کھولا

جھک کے پانی سے دہانے کو ملایا اک بار روح تازہ ہوئی آیا دلِ مضطر کو قرار
اس طرح آب پہ چھایا تھا علیؑ کا دلدار جیسے ہو شیر غضبناک کے پنجہ میں شکار
تھی خوشی مشک میں آنے کی تو لہرایا تھا
سامنے خوف سے ٹھہرا ہوا تھرایا تھا

خوش ہوا دیکھ کے دریا کو علیؑ کا جایا تشنگی بچوں کی یاد آ گئی دل تھرایا
تھی نہ امید جو قسمت نے سماں دکھلایا مشک پانی میں گئی مشک میں پانی آیا
تھی جو پابند وفا غیرت الیاس کی پیاس
بھر گئی مشک تو خود بجھ گئی عباس کی پیاس

باندھا تسمے سے دلاور نے دہانا کس کر جس میں شامل تھے حفاظت کے لیے بار نظر
یاد تھی تشنگی بنتِ شہ بحر و بر مشک اسی سمت کو تھی تھا دلِ بیتاب جدھر
عشق صادق کی وفادار نے عزت رکھ لی
تنکے کاندھے پہ سکینہؑ کی امانت رکھ لی

تھی یہ عباسؑ سے گویا طلب انسانی مشک جب بھر کے لیئے جاتے ہوئے لو پانی
دل سے کہتا تھا برابر یہ وفا کا بانی صبر کر پیاس کا مارا ہے علیؑ کا جانی
حشر تک نالہ و فریاد کرے گی دنیا
دیکھ کے نہر مجھے یاد کرے گی دنیا

ہنیں عباس علمدار کا دنیا میں جواب لا کے قبضے میں سمجھتے رہے دریا کو سراب
تھی خوشی دیکھ کے پانی نہ ہوا دل بیتاب نہ پیا پیاس کے طوفان میں بھی قطرہ آب
ہو وفا کیوں نہ دل و جاں سے فدائے عباسؑ
مسکراتے ہوئے پیاسے نکل آئے عباسؑ

کیوں نہ حیران ہو اس آئینہ میں عقل بشر / جس میں معمول کے برعکس نظر آئے نظر
آکے ساحل پہ لبوں کو نہ کیا پانی سے تر / پیاس کے راکب و مرکب نے دکھائے جوہر
نہر کو دھیان میں بھی اپنے نہ لایا گھوڑا
ساتھ عباس کے پیاسا نکل آیا گھوڑا

آکے ساحل پہ پکارا یہ علیؑ کا جانی / دیکھ لیں سب ستم و جور و جفا کے بانی
کر چکا نہر میں خود نفس کی میں قربانی / تشنہ لب بھر کے لیے جاتا ہوں ٹھنڈا پانی
دل کو آرائش دنیا سے ہٹا کے روکے
روکنا ہو جسے وہ سامنے آکے روکے

کیا کروں پیاس سے ہے غیر سکینہ کا حال / جنگ کا وقت ہے درپیش ہے جلدی کا سوال
مجھ کو خود روکنا پڑتا ہے جب آتا ہے جلال / جب چلا خلق سے وہ آپ جو اپنی تھا مثال
صبر کل سبط پیمبرؐ کو ولی نے بخشا
جس قدر غیظ تھا سب مجھ کو علیؑ نے بخشا

کہہ کے یہ تیز چلا تشنہ لبوں کا غمخوار / جانب خیمہ رواں ہوا پیاسا رہوار
سامنے روکنے کو آئے جو بڑھ کے سردار / چل گئی جان علیؑ سے سر ساحل تلوار
وار پر وار بھی شیر اللہ کیے جاتے تھے
اور رہوار کو بھی ایڑ دیے جاتے تھے

ناگہاں دست یمیں ہو گیا شانے سے قلم / دوسرے ہاتھ میں لی شیر نے شمشیر دو دم
جب جدا ہو گیا وہ بھی تو ہوا اور ستم / آ گیا خاک پہ تھرا کے پیمبرؐ کا علم
بیکسی کا تھا سماں جان سے بیزاری تھی
مشک دانتوں میں دبالی یہ وفاداری تھی

وہ قیامت کی گھڑی تھی کہ پڑا مشک پہ تیر — پانی بہنے جو لگا ہو گئی حالت تغیر
دیکھ کے سوئے فلک کی یہ جری نے تقریر — جلد اٹھا لے مجھے دنیا سے تو اے رب قدیر
جو تھا ارمان پئے تشنہ دہانی نہ رہا
زندگی جس پہ تھی میری وہی پانی نہ رہا

حق سے مصروف دعا تھا وہ ابھی خوش انجام — کہ پڑا آنکھ پہ تیر آیا غضب کا ہنگام
سر جو ہرنے پہ جھکا موت کا پہونچا پیغام — ایک ظالم کا پڑا گرز نہ سنبھلا ضرغام
تاب اس ظلم کی اک آن نہ لایا غازی
جھوم کے خاک پہ رہوار سے آیا غازی

رخش سے گر کے زمیں پر یہ پکارا ضیغم — نزع کا وقت ہے جلد آئیے سلطان امم
جان جانے کا نہیں ہے کوئی عباسؑ کو غم — رہ گئی پیاسی سکینہ یہ ہے مرے دل کو الم
بہہ گیا آب کہ دشمن ہے خدائی میری
خاک میں آج ملی وعدہ وفائی میری

کیا صدا تھی کہ جھکا دی شہ والا کی کمر — جانب نہر چلے بادشہ بحر و بر
ڈالتے تھے جو ادھر پاؤں تو پڑتا تھا ادھر — یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جاتا ہوں کدھر
کشش آواز کی تھی راہ چلے جاتے تھے
سر جھکائے شہ ذیجاہ چلے جاتے تھے

جب چلے تیز سوئے نہر شہ عرش نشیں — کچھ تو ترس کھا کے سمٹتی گئی میدان کی زمیں
بات کی بات میں پہونچے جو ہیں غازی کے قریں — دیکھا عباسؑ کسی جا پہ ہیں، دو ہاتھ کہیں
بار غم کا جو پڑا خاص اثر ٹوٹ گئی
اب یقیں ہو گیا شہ کو کہ کمر ٹوٹ گئی

اس طرف غش میں تھے عباسؑ علیؑ نیک انجام — آ گئے دوڑ کے نزدیک شہِ تشنہ کام
بیٹھ کے پاس یہ گویا ہوئے سلطانِ انام — اُٹھو عباسؑ کہ آیا ہے غریبِ ناکام
خلق سے رہبرِ تسلیم و رضا اٹھتی ہے
تم نہیں اُٹھتے ہو اے بھائی وفا اٹھتی ہے

گوشِ غازی میں جو پہنچی شہِ دیں کی آواز — خود وفا کرنے لگی اپنے مقدر پر ناز
بڑی دقت سے تکلم کا کیا یوں آغاز — اے مرے بیکس و ناکام شہِ سرافراز
اب مری شکل سکینہ کو نہ دکھلایئے گا
لاش میدان سے خیمے میں نہ لیجایئے گا

رو کے فرمانے لگے بادشہِ عرش نشیں — تم سا ہوگا نہ وفادار تہِ چرخِ بریں
بات کس طرح کروں دل میں مرے تاب نہیں — مختصر تم سے یہ کہتا ہوں مرے ماہ جبیں
سارا عالم متحیر ہے وہ غمخواری کی
تم حدیں توڑ کے جاتے ہو وفاداری کی

کی غلاموں کی طرح تم نے ہمیشہ خدمت — میرے خدام کی بھی تم نے سدا کی عزت
مجھ کو آقا ہی کہا واہ رے جوشِ الفت — اک زمانے سے مرے دل میں یہی ہے حسرت
بھائی اک بار مجھے کہہ کے پکارو عباسؑ
پھر سوئے گلشنِ فردوس سدھارو عباسؑ

سن کے فرمائشِ شبیرؑ نظر شرمائی — رنگِ رخ اُڑ گیا چہرے پہ اُداسی چھائی
صورتِ شیرِ ژیاں موت کی لی انگڑائی — کہہ گئے چپکے سے ہچکی کی صدا میں بھائی
دیکھتے رہ گئے شہ غیرتِ الیاس گئے
جانبِ خلدِ بریں حضرتِ عباسؑ گئے

عرض ہے آپکی خدمت میں یہ سقائے حرم   نور آنکھوں کا نہ ہوتا دم آخر اب کم
آپ کو دیتا ہوں میں پیاسی سکینہ کی قسم   روشنی میری بڑھا دیجے پے شاہِ امم
جو کروں حق سے دعا زود اثر ہو جائے
میں مہذب ہوں مری تیز نظر ہو جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پانچواں مرثیہ

یہ مرثیہ حسب فرمائش نواب کمال یار جنگ بہادر مرحوم ۱۴ مارچ ۱۹۳۳ء مطابق ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۱ ہجری میں دس دن میں عرض کیا تھا۔ اور نواب بہرام الدولہ بہادر مرحوم کی بنا کردہ مجلس میں پڑھا گیا تھا جو نہایت کامیاب رہا تھا جس میں ذکر سردار کائنات کے آخر میں فتح خیبر

مطلع

محبوب حق جہاں میں بڑا نام کر گئے

بند ۹۲

محبوب حق جہاں میں بڑا نام کر گئے   کیا کیا جہاد بانیٔ اسلام کر گئے
واللہ دین حق کا سر انجام کر گئے   دشمن بھی مدح کرتے ہیں وہ کام کر گئے
سایہ نہ باپ کا تھا نہ مادر حیات تھی
ہمراہ ہر مقام پہ خالق کی ذات تھی

غم راہ حق میں سیکڑوں کھاتے ہوئے چلے   لوگوں کو راستے پہ لگاتے ہوئے چلے
دشمن کو اپنا دوست بناتے ہوئے چلے   سیدھی جو راہ تھی وہ بتاتے ہوئے چلے
زخمی ہوئے نہ شکوۂ جور و جفا کیا
رنج و بلا میں گھر کے بھی شکر خدا کیا

ایسا کسے جہاں میں میسر ہوا نبیؐ — بھولے سے بھی غلام پہ سختی نہ کی کبھی
کفار کی برائیوں سے کرب زباں کی — سب سخت سست سن لیا پر منہ سے اف نہ کی
نرمی سے لائے راہ پہ سارے جہان کو
دکھلا دیا نبیؐ نے نبوت کی شان کو

بعد بدر چچا نے لیا شفقتوں سے کام — تھے دل میں جتنے زخم ہوا ان کا التیام
دشمن یہ چاہتے تھے مٹے مصطفیٰؐ کا نام — اولاد سے سوا تھا حفاظت کا اہتمام
تیغ نفاق سے جو عدو حملہ ور رہے
کیسے چچا شفیق تھے سینہ سپر رہے

آغوش میں کہاں ہو تہذیب تیرا خیال — ناقص کبھی کر سکا ہے کہیں درج باکمال
ہر دم لگا ہے حق سے دعا نیک تو آل — تھا گوش دل سے سنیں بچپنے کا حال
مضمون ذہن میں ہے خط لاجواب کا
آتا ہے کچھ دنوں میں زمانہ شباب کا

وہ بچپنا وہ نور خدا کی ترقیاں — دنیا میں وہ نفاق وہ عداوت کی آندھیاں
وہ بردباریاں وہ نبیؐ کی خموشیاں — وہ کافروں کے ظلم و ستم وہ برائیاں
وہ دشمنوں کو ہنس کے مٹا دو جہان سے
وہ ان کی ضد برا نہ کہو گے زبان سے

حسن شباب آتے ہی تھے دو جہاں میں طاق — اہل جہاں کو ہجر میں تھا کمال شاق
محبوب کا حبیب کو ہوتا ہے اشتیاق — ڈرتے ہیں دیکھ دیکھ کے سب صورت فراق
جس دم حضور آئے تھے دنیا زشت میں
حوروں نے سایہ روک لیا تھا بہشت میں

ممتاز کل جہاں میں ہیں پیغمبر زماں   باہر ہوئیں بیان سے انکی ترقیاں
کہتے ہیں اس کو اوج ہوا قرب لامکاں   سائے نے بھی کمال دکھائے کہاں کہاں

بالائے چرخ عرش کا سرتاج بن گیا
سایہ نبی کا پردۂ معراج بن گیا

نور خدا سے خلق ہوا نور مصطفےٰ   موجود تھا نہ ان میں کثافت کا مادہ
بس ہو گئی جسد کی لطافت کی انتہا   محبوب حق ہیں سایہ کا ساتھ انکے ذکر کیا

کیوں اعتراض کرتے ہیں سب انکی شانمیں
جسم لطیف کا نہیں سایہ جہان میں

ذات نبی پہ فخر ہے کل کائنات کو   قبضے میں لے لیا ہے حیات و ممات کو
وحدت سدا پسند ہے خالق کی ذات کو   معراج میں بلانا تھا تنہا جو رات کو

دونوں جہاں میں رتبۂ احمد بلند تھا
سایہ کا ساتھ بھی نہ خدا کو پسند تھا

عاشق کو فکر وصل میں ہوتا ہے غم دو چند   آنا دل حزیں کا بناتا ہے دردمند
ہوتی ہے تن میں روح کہ طائر قفس میں بند   وہ چیز ہجر ہے نہ خدا کو ہوا پسند

بھیجا نبی بنا کے جو سارے جہان پر
خالق نے سایہ روک لیا آسمان پر

تھا انتظار قوت بازو کی دیر تھی   خوشخو تھا ایک دوسرے خوشخو کی دیر تھی
مہرو تھا ایک دوسرے مہرو کی دیر تھی   اسلام گل کی شکل تھا خوشبو کی دیر تھی

دل چاہتا تھا ظلم و ستم کی صفائی کو
ہر وقت دھیان رہتا تھا بھائیکا بھائی کو

صدمے سے اور شکلِ دلِ ناصبور تھی منزل ملاک سے ملنے کی بس تھوڑی دور تھی
بھاری تھا بوجھ ایک کی حاجت ضرور تھی روزِ ازل سے یاد جو تصویرِ نور تھی
طوفانِ غم سے قلب کی کشتی تباہ تھی
آنکھوں میں بے وزیر کے دنیا سیاہ تھی

کعبہ کو دیکھ دیکھ کے ہوتے تھے خوش حضور حسرت یہ تھی کہ دیکھ لوں شیرِ خدا کا نور
ہوتا تھا غم نہ دل سے کبھی مصطفےٰ کے دور کہتے تھے اب مراد مری آئے گی ضرور
میری ہر ایک بات خدا کو پسند ہے
خالق کے گھر کا دیر سے دروازہ بند ہے

جو کچھ کہ تھا خیال نبیؐ کو وہی ہوا بنتِ اسد کے دردِ شکم میں ہوا سوا
جلدی چلیں تڑپ کے سوئے خانۂ خدا یہ اتفاق دیکھئے دروازہ بند تھا
دل کی مراد ہوتے ہی مجبور مل گئی
شوقِ علیؑ میں کعبہ کی دیوار کھل گئی

بنتِ اسد جو خانۂ اللہ میں گئیں دیکھا سوائے ذاتِ خدا کے کوئی نہیں
موقوف دردِ زہ ہوا پایا عجب تجسیں حیدر جہاں میں آئے منور ہوئی زمیں
ہستی کفر نقطۂ موہوم ہو گئی
پیدا ہوئے حرم میں علیؑ دھوم ہو گئی

حیدر میں کمسنی سے ہیں معجز نمائیاں اژدر شگاف دستِ خدا کی ہیں انگلیاں
بچپن میں صاف کہتی ہیں گوری کلائیاں خیبر کا نام لو تو کھلیں گی یہ مٹھیاں
حاکم کیا خدا نے زمیں آسمان کا
حامی بنا دیا انھیں دونو جہان کا

آنکھیں ہیں بند دید پیمبرؐ کے واسطے　　بیتاب دل ہے دین کے رہبر کے واسطے
پھیلے ہیں ہاتھ کلّۂ اژدر کے واسطے　　لیتے ہیں کروٹیں در خیبر کے واسطے
بچپن غضب کا ہے شہ دلدل سوار کا
نقشہ ہے صاف ابرؤوں میں ذوالفقار کا

غصّہ جو ہے غضب کا تو ہے چشم پاک نم　　اٹھنے کا قصد کرتا ہے رہ رہ کے ذی حشم
گویا زبان حال سے ایسا ہے دمبدم　　گھر میں خدا کے رہتے ہیں کس واسطے صنم
یہ ہم ضدیں ہیں دشمن پیمبرؐ یہ جائیں گے
کہتی ہے یہ ہمک کہ بتوں کو گرائیں گے

کچھ دن کے بعد اور ہوئی صورت امام　　فضل خدا سے کرنے لگے مرتضیٰ کلام
آگاہ نام سے ہوئے دنیا کے خاص عام　　رکھنے لگے عزیز رسول فلک مقام
پہونچے سن تمیز کو ہشیار ہو گئے
امداد کو رسولؐ کی تیار ہو گئے

بدلا ہوا تمام زمانے کا رنگ تھا　　مصروف تھے اطاعت احمدؐ میں مرتضیٰ
تھے انتظار حکم الٰہی میں مصطفےٰ　　ناگاہ لائے روح امیں وحی کبریا
کی عرض برگزیدۂ خالق جناب ہیں
حکم خدا ہے آپ رسالت مآب ہیں

اب کیجیے حضور نہ ان کافروں کا ڈر　　احکام دیں بتائیے لوگوں کو بے خطر
کیوں تیغ ظلم سے ہیں ملول آپ اس قدر　　دست خدا رہے گا سدا آپ کی سپر
قرباں رہا ہوں آپ زمیں آسمان میں
ہم نے علی کو بھیج دیا ہے جہان میں

لانے لگے امین خدا وحی صبح و شام — کرنے لگے رسولؐ شریعت کا انتظام
احکام حق کے نشر میں تھا دل سے اہتمام — کفار کا تھا قول ستم کا ہے یہ مقام
حد سے بڑھا رہے ہیں محمدؐ جفاؤں کو
کیونکر برا کہیں گے ہم اپنے خداؤں کو

ہم مالدار ہیں ہمیں دولت کی انتہا — فاقے پہ فاقے کرتے ہیں دن رات مصطفےٰ
پتھر ہمارے پاس ہیں یا ہو ہمکو خوف کیا — بیٹھے جہاں وہیں پہ خدا بھی بنا لیا
سجدے کا وہم بھی نہ کبھی دل میں لائیں گے
کعبے کے سمت ہم نہ کبھی سر جھکائیں گے

کرتے ہیں اعتراض یہ دشمن پکار کے — اسلام کو قبول کیا دل کو مار کے
مالک ہوئے رسولؐ جو شہر و دیار کے — کلمہ پڑھایا لوگوں کو تلواریں مار کے
ہوش و حواس ہیبت احمدؐ سے کھو گئے
مجبور ہو کے داخل اسلام ہو گئے

کرتے ہیں اعتراض سب اغیار کس لئے — اسلام و کفر میں ہے یہ تکرار کس لئے
حق بات سے جو انکو ہے انکار کس لئے — آخر خدا نے بھیجی تھی تلوار کس لئے
احمدؐ کی تھی خطا نہ نبیؐ کا قصور تھا
لوگوں کو راہ راست پہ لانا ضرور تھا

آئے وہ حکم حق کے بتانے کیواسطے — یہ نقش سب کے دل پہ بٹھانے کیواسطے
وہ آئے راستہ پہ لگانے کیواسطے — یہ راہ حق پہ گھیر کے لانے کیواسطے
احمدؐ کو جس نے مالک و افسر بنا دیا
حیدرؑ کو اس نے فاتح خیبر بنا دیا

کیا کیا ہوئی ہیں ان سے معجز نمائیاں | برباد کی ہیں کفر کی حیدرؑ نے بستیاں
دم میں بہائیں خون کی ہر سمت ندیاں | خیبر کے در میں انکی در آئی ہیں انگلیاں
گر انکے ساتھ مرضی پروردگار تھی
پاس انکے حق کی بھیجی ہوئی ذوالفقار تھی

کار خدا کیا تو نبی مصطفےٰ ہوئے | راضی علیؑ نے حق کو کیا مرتضیٰ ہوئے
معراج میں وہ زینتِ عرشِ علیٰ ہوئے | حیدرؑ بتوں کو توڑ کے دستِ خدا ہوئے
بستی تمام کفر کی اب تک تباہ ہے
ان کے شرف کی مہرِ نبوت گواہ ہے

اکثر کا ہے خیال کہ آئی نہ ذوالفقار | لوہے کا ذکر اور سرِ عرش کردگار
کس نے بنائی کون بنا کارخانہ دار | تلوار دی علیؑ کو خدا نے نہ زینہار
دستِ خدا تھے اپنے زمانے میں شیر تھے
اقرار دشمنوں کو ہے حیدر دلیر تھے

سچ ہے کہ کارخانہ نہ تھا کوئی عرش پر | لوہے کا کس طرح سے فلک پر ہوا گذر
یہ شک ہے کیوں فضیلتِ حیدرؑ میں اسقدر | کافی ثبوت ہے جو کریں غور کی نظر
تلوار تھی وہیں کی بقدرت بنی ہوئی
تھی جس جگہ کی مہرِ نبوت بنی ہوئی

جب حکمِ حق ہوا کہ محمدؐ کرو جہاد | آمادہ سرکشی پہ ہیں سب بانیٔ فساد
سب جانتے ہیں ظلم تھے کس قدر زیاد | خیبر میں کس طرح سے علیؑ کو کیا ہے یاد
آیا جو غیظ آپ نے حکم فنا دیا
حیدرؑ نے جا کے خون کا دریا بہا دیا

خیبر کا معرکہ بھی ہوا خلق میں عجب　　قلعہ کو دیکھتے تھے سلمان سب کے سب
تھے کسقدر ملول و پریشاں شہ عرب　　حکم خدا ہوا تو علیؑ کو کیا طلب
بیتاب انتہا کے رسولِ جلیل تھے
مشہور ہے کہ حیدرِ صفدر علیل تھے

آواز پر نبیؐ کی چلے بادشاہِ دیں　　بڑھنے لگا جو دل تو سمٹنے لگی زمیں
آنکھیں مرض سے حیدرِ صفدر کی سرخ تھیں　　پہونچے اک آن میں شہِ لولاک کے قریں
جتنے تھے غم حضورؐ کو سب دور ہوگئے
رخ علیؑ کو دیکھ کے مسرور ہوگئے

تھا سب کو انتظار ملے گا ہمیں علم　　تھے سامنے نبیؐ کے بڑھائے ہوئے قدم
تکتے تھے لوگ صورتِ شاہنشہِ امم　　کرتے تھے تذکرے یہی آپس میں دمبدم
پائے شرف مقرّبِ دربار کون ہو
دیکھیں نشان پائے علمدار کون ہو

پیغمبرِ زماں نے کہا صورت رواج　　چہرہ کا رنگ کچھ متغیر سوا ہے آج
کی عرض کارگر نہیں ہوتا کوئی علاج　　آشوبِ چشم ہے مجھے ناساز ہے مزاج
مجبوریاں ہیں طالبِ دیدار کے لئے
دستِ شفا ضرور ہے بیمار کے لئے

صرفِ علاج ہوگئے یہ سن کے مصطفےٰؐ　　دے کے خدا کو اس کی رحیمی کا واسطہ
آنکھوں میں بس لعابِ دہن کا لگا دیا　　آشوب دور ہوتے ہی آنکھوں کو وا کیا
جس کو خدا نے نور کا پتلا بنا دیا
اس نے علیؑ کی آنکھوں کو تارا بنا دیا

فرمایا پھر کہ اب نہیں آشوب کا نشاں
اسواسطے کیا ہے طلب اے سرورِ جہاں
جاؤ برائے جنگ ہے خالق نگاہباں
حکمِ جہاد دیکے عنایت کیا نشاں

سردارِ فوج مالک و مختار کر دیا
احمدؐ نے مرتضےٰؑ کو علمدار کر دیا

پائی رضا جو بادشہ نامدار نے
بڑھ بڑھ کے تہنیت دی صغار و کبار نے
خیبر کا قصد کر لیا عالی وقار نے
گھوڑا طلب کیا شہ دلدل سوار نے

آیا فرس بھی شوق میں کنڈا لیئے ہوئے
حیدرؑ کھڑے تھے جامِ شجاعت پیئے ہوئے

تھے مہربان رسولؐ شہ نامدار پر
پڑتی تھی سب کی آنکھ اسد کردگار پر
تاخیر بار تھی جو دلِ بے قرار پر
تسلیم کی سوار ہوئے راہوار پر

پھیرا فرس کو ساتھ سبھوں کی نظر چلی
رہوار کیا چلا کہ نسیمِ سحر چلی

قلعہ سے دیدباں نے صدا دی یہ ایک بار
آتا ہے شیر قلعۂ خیبر سے ہوشیار
ہے زیرِ ران محمدؐ ذیشاں کا راہوار
زیبِ کمر ہے بھیجی ہوئی حق کی ذوالفقار

جنبش میں آسماں ہے تزلزل زمین کو
الٹے ہوئے ہے حق کا ولی آستین کو

تھے خدا کی شکل ہوئے مرتضیٰ رواں
کانپی زمینِ دشت جھکا پیر آسماں
ماری فرس نے ٹاپ تو لوں کے ہلے مکاں
ڈر ڈر کے فوج کو یہ پکارنے نگاہباں

آتا ہے بہرِ جنگ غضنفر سے ہوشیار
رخ ہے اسی طرف درِ خیبر سے ہوشیار

کچھ آج شاہ کے نئے تیور خراب ہیں ۔ اُلٹے ہیں آستینوں کو اور بے نقاب ہیں
شیرِ خدا ہیں جانِ رسالتمآب ہیں ۔ اُٹھ اُٹھ کے گرد کہہ رہی ہے بوتراب ہیں
تیرِ نظر سے سوئے ہدف دیکھتے ہوئے
حیدر چلے ہیں در کی طرف دیکھتے ہوئے

کیا آج شانِ سرورِ دلدل سوار ہے ۔ حق کا عطیہ زیبِ کمر ذوالفقار ہے
سایہ علم کا رحمتِ پروردگار ہے ۔ پنجے سے زورِ دستِ خدا آشکار ہے
حکمِ وغا نبی سے ہیں حیدر لیے ہوئے
ہیں ہاتھ میں نشانِ پیمبر لیے ہوئے

گھوڑے پہ یہ سوار شہِ بے نظیر ہیں ۔ یا عازمِ جہاد رسولِ کبیر ہیں
آمادۂ فرار ہیں جتنے شریر ہیں ۔ ہیبت پکارتی ہے جنابِ امیر ہیں
کہتا ہے یہ علم کہ لڑائی تمام ہے
پنجہ بتا رہا ہے ظفر انکے نام ہے

عمامۂ رسولِ خدا ہے جو زیبِ سر ۔ رکھا ہوا ہے تاجِ ظفر انکے فرق پر
شوقِ جہاد یہ ہے کہ تنہا نے بے خطر ۔ قلعہ کی سمت سے نہ کیا رُخ ادھر اُدھر
در پر نظر کی غیظ بڑھا بوتراب کو
بس تیز کر دیا فرسِ لاجواب کو

تیزی میں راہوار کی ہو کیوں کسی کو شک ۔ رفتار بڑھ رہی ہے جھپکتی نہیں پلک
آوازِ صیحہ جانے لگی آسمان تک ۔ آتا ہے حشر کہہ رہی ہے ٹاپ کی دھمک
سیلِ فنا سے کفر کی دیوار ہل گئی
مرحب کا قلب قلعہ کی بنیاد ہل گئی

گھوڑے کے شوقِ جنگ کی کچھ انتہا نہیں
جُز سوئے قلعہ اور طرف دیکھتا نہیں
ایسا فرس جہان میں اب دوسرا نہیں
ایسی سُبک روی ہو کہ آواز پا نہیں
آنکھوں کی پتلیوں پہ جو دوڑے اثر نہ ہو
سینے پہ رکھے پاؤں تو دل کو خبر نہ ہو

راکب کا ہے نظیر، نہ مرکب کا ہے جواب
دنیا میں ہو وہ فرد یہ چلنے میں انتخاب
یہ لعلِ شب چراغ وہ عالم کا ماہتاب
پتلا یہ خاک کا تو وہ مشہور بوتراب
رہوار جا رہا ہے زمیں سے ملا ہوا
راکب کا سر ہے عرشِ بریں سے ملا ہوا

جاتا تھا شیر ڈالے ہوئے رو میں راہوار
لرزاں ہو جس سے مہر وہ ہیبت تھی آشکار
اللہ رے خوفِ شاہ پکارے یہ نابکار
حیدر قریب آ گئے ہیں اور سے ہوشیار
قلعہ کے پاس آتے ہی کھینچا حسام کو
روکا دلیر نے فرسِ تیز گام کو

برہم ہوا جو رن میں اسد کردگار کا
دہشت سے قلب ہل گیا ہر نابکار کا
فرمایا وقت اب ہے یہی کارزار کا
ہشیار سامنا ہے شہ ذوالفقار کا
پلٹوں گا آج کفر کی صورت بگاڑ کے
قبضہ کیا ہے نیزے کو پتھر یہ گاڑ کے

میرا عروج دوشِ پیمبر سے پوچھ لو
توڑا بتوں کو خانۂ داور سے پوچھ لو
پھیرا ہے میں نے مہر منور سے پوچھ لو
کیا نیند تھی رسول کے بستر سے پوچھ لو
کب میں نے کی نظر شبِ ہجرت کے طول پر
سویا ہوں جان بیچ کے فرشِ رسول پر

میں کیوں ڈروں کہ قلعہ میں ہو لشکر گراں — رہتی ہے میری موت ہمیشہ نگاہباں
مرحب کو بھیج دو ہنر جنگ ہوں عیاں — اب بڑھ رہی ہیں اُس کی طرف میری انگلیاں
آنکھیں تلاش کرتی ہیں پیہم لعین کو
کہتی ہے ذوالفقار الٹ دو زمین کو

وہ کونسی ہے جنگ جو مجھ سے نہ سر ہوئی — تلوار میری باعث درد جگر ہوئی
میرے وقار کی نہ تمہیں کچھ خبر ہوئی — کعبہ کی میرے واسطے دیوار در ہوئی
کب سے پکارتا ہوں مگر بولتے نہیں
در بند کر کے بیٹھ رہے کھولتے نہیں

باگیں کسے ہوئے ہوں تڑپتا ہے راہوار — ہو ہوشیار دم میں نکلتی ہے ذوالفقار
خوں تن میں دوڑتا ہے یہی جوش کارزار — مرحب تو کیا ملک سے رکے گا نہ میرا وار
یہ زحمتیں نہیں ہیں مری نام کے لئے
کرتا ہوں ساری کوششیں اسلام کے لئے

مرحب نے جب سنی یہ صدا آ گیا جلال — آنکھیں شفق کی ہو گئیں غیظ و غضب سے لال
ناداں تھا اپنے زور و تن و توش پر نہال — قلعہ سے نکلا بہر جدل وہ زبوں خصال
جام مئے غرور و تکبر پیئے ہوئے
تھا پشت پر ہزاروں کا لشکر لئے ہوئے

شیر خدا کے سامنے آتے ہی تھم گئیں — دل میں خیال میرے مقابل کوئی نہیں
رہ رہ کے کہنیوں تک اٹھاتا ہے آستیں — کچھ فاصلے سے آ کے ہی بس تھم گیا لعیں
تصویر موت کی دم پیکار کھینچ لی
حیدر نے آنکھ لڑتے ہی تلوار کھینچ لی

کرتا تھا ناز تیغ کے جوہر کو دیکھ کے
رکھا کبھی نیام میں خنجر کو دیکھ کے
ہنستا تھا وہ لعین جو حیدر کو دیکھ لے
بڑھتی تھی ذوالفقار ستمگر کو دیکھ کے
بے قدر جانتا تھا شہ بے نظیر کو
پہچانتا نہ تھا وہ جناب امیرؑ کو

گویا ہوا علیؑ سے کہ ہوں رستم زماں
ڈرتے ہیں مجھ سے اہل زمیں اہل آسماں
فولاد سے ہیں سخت یہ میری کلائیاں
مرحب ہے میرا نام ہے آگاہ کل جہاں
بے قدر جانتا ہوں ہر اک ذی شکوہ کو
تنکے کی طرح بڑھ کے اٹھا لوں میں کوہ کو

گھوڑے پہ چست بیٹھ گئے شیر کردگار
بولے سنبھال تیغ دو دم او ستم شعار
ہوتا ہے دم میں زور خداداد آشکار
لے دیکھ مجھ کو بھیجی ہے خالق نے ذوالفقار
کہتے ہیں تجھ کو مرحب خودسر جہان میں
مشہور میرا نام ہے حیدر جہان میں

رکھتا ہوں خلق میں کہیں اہل وفا کا ہاتھ
میں آج بھی بٹا رہا ہوں مصطفیٰ کا ہاتھ
مشہور سب جہان میں ہوں کبریا کا ہاتھ
کہتے ہیں میرے ہاتھ کو بندے خدا کا ہاتھ
کافر کے حق میں باعث رنج و محن ہوں میں
شاہد ہیں میرے دوش نبی بت شکن ہوں میں

آیا علیؑ کو غیظ ہوا حکم ذوالجلال
میکال و جبرئیل و سرافیل خوش مآل
خیبر میں جائیں آیا ہے مرحب زبوں خصال
کھلتا ہے میرے شیر کے غیظ و غضب کا حال
اب ذوالفقار پڑتی ہے سر پہ لعین کے
روح الامین روک لے طبقے زمین کے

حیدرؑ کا نام سنتے ہی بھاگا وہ بے حیا — شیرِ خدا نے سُن کے صدا دی یہ کیا کیا
صورت بدل کے راہ میں شیطان نے کہا — اِس نام کے ہزاروں ہیں دنیا میں باوفا
پلٹا یہ سُن کے آئی حیا نابکار کو
بس موت لائی شیر کے منھ پر شکار کو

فوجِ نبیؐ میں سب نے صدا دی یہ ایکبار — یہ جنگ دیکھتے ہیں حضورؐ اے فلک وقار
تعریف کر رہے ہیں شہنشاہِ نامدار — یا مرتضیٰ علیؑ نہ رُکے ہاتھ زینہار
رستے تمام بند ہیں دشت و دیار کے
قلعہ کو چھین لیجیے مرحب کو مار کے

آئی صدا جو یہ شہِ عالی مقام کو — آیا جلال اور علیؑ سے امام کو
دکھلائی آنکھ بس فرسِ تیز گام کو — دانتوں میں ہونٹ داب کے توڑا نیام کو
سب حاملانِ عرشِ عُلا کانپنے لگے
ڈر سے امینِ وحیِ خدا کانپنے لگے

آمادۂ نبرد ہوا بس وہ خود پسند — ڈر سے لرز رہا تھا شقی کا ہر ایک بند
آیا قریبِ بحرِ جدل چھیڑ کے سمند — حیدرؑ نے اپنا دستِ مبارک کیا بلند
طاری تھا خوف وحیِ خدا کے امین پر
تھا حکمِ حق پروں کو بچھایا زمین پر

تیغِ علیؑ چمک کے جو نزدیکِ سر گئی — مرحب کا فرق کاٹ کے سوئے جگر گئی
راہِ عدم دکھا کے جو ہیں تا کمر گئی — کاٹا فرس کو اور زمیں تک اُتر گئی
جتنے عدو تھے جنگ سے دل سب کے ہٹ گئے
مشہور ہو گیا پرِ جبریلؑ کٹ گئے

غصے میں تھا کمال جو اللہ کا ولی
کس کی قضا زمانے میں آ کے بھلا ٹلی
مرحب پہ پڑ کے تیغ جو سوئے زمیں چلی
تھرا کے جبرئیل پکارے کہ یا علیؑ

لازم ہے مجھ پہ رحم شہ نامدار کو
للہ روک لیجئے اب ذوالفقار کو

بے خود ہر ایک دشت میں بے پیر ہو گیا
انداز ذوالفقار علیؑ تیز ہو گیا
چلنا ہر اک کو شومی تقدیر ہو گیا
مرحب کا خون جوہر شمشیر ہو گیا

گاؤ زمیں ہوئی متحرک زمیں کے ساتھ
تھرا گئے فلک پر روح امیں کے ساتھ

مرحب گرا زمین پہ بس راہوار سے
دشمن بچا نہیں شہ مرداں کے وار سے
خالی ہوا جہان جو اس نابکار سے
حیدر نے خون پاک کیا ذوالفقار سے

جان ایک لے کے قلعہ میں ویرانہ کر دیا
ختم اہل کفر و شرک کا افسانہ کر دیا

پھر تیغ تول کے جو علیؑ فوج پر چلے
گھبرا کے بھاگنے لگے خیبر کے منچلے
مرحب کو مار کر یہ بڑھے دیکھے ولولے
تلوار دوڑ دوڑ کے ملنے لگی گلے

آواز بسملوں کی ہے سفاک ہو گئی
مرحب کا خون پیتے ہی بے باک ہو گئی

یہ بہم گئے جو وار اڑے کا فروں کے سر
کچھ بھاگ کے ادھر گئے کچھ بھاگ کے ادھر
ہاتف کی آ رہی صدا دمبدم مگر
ہے کفر کی شکست تو اسلام کی ظفر

کیا لڑ رہے ہو، تیغ نہ زنہار روکنا
اب ہاتھ کو نہ حیدر کرار روکنا

حیدرؑ کو غیظ تھا صفتِ شیرِ خشمگیں آیا عرق تو پونچھ لی رومال سے جبیں
ایسے لڑے کہ ہل گئی سب دشت کی زمیں قلعے میں بھاگ بھاگ کے چھپنے لگے لعیں
دل کو سبھوں نے خوفِ یداللہ سے بھر لیا
خیبر کے در کو کافروں نے بند کر لیا

در پہ نگاہ کاندھے پہ رکھے ہوئے علم ہے ذوالفقار ہاتھ میں اللہ رے حشم
ہے موجزن جلال کا دریا جو دمبدم جاتے ہیں سیدھے قلعہ اٹھائے ہوئے قدم
غیظ و غضب کے ابر بیاباں میں چھا گئے
بڑھتے ہوئے علیؑ درِ خیبر تک آ گئے

ہمت نے بڑھ کے دی یہ صدا انتظار کیا ہوگا نہ زورِ دستِ خدا آشکار کیا
تم شیر ہو لڑیں گے بھلا بد شعار کیا قلعہ کے در کو دیکھتے ہو بار بار کیا
تاخیر کیا ہے کفر کی بستی اجاڑ دو
یا مرتضیٰ علیؑ درِ خیبر اکھاڑ دو

جلدی چڑھائی چاندی سی کہنی تک آستیں غصے میں انگلیاں درِ خیبر میں ڈال دیں
آیا یہ زلزلہ کہ ہلی قلعہ کی زمیں اپنی جگہ کو چھوڑ کے چولیں الگ ہوئیں
یہ فائدہ علیؑ کو ہوا حق کے ساتھ سے
خیبر کا در اکھاڑ لیا بائیں ہاتھ سے

در کو سپر بنائے تھا اللہ کا ولی تلوار اہلِ قلعہ سے کچھ دیر تک چلی
چھائی جو ذوالفقار نے ہر زخم کی گلی سب نے کہا امان کے طالب ہیں یا علیؑ
یہ دیدنی ہیں زور شہِ نامدار کے
خیبر کا در سپر کیا مرحب کو مار کے

جب طالب اماں ہوئے کافر دم مصاف — دیدی پناہ تا نہ شریعت کے ہو خلاف
میدان قلعہ ہو گیا تیغ دو دم سے صاف — روکی خدا کے شیر نے شمشیر خوش غلاف
خوف علیؑ سے بھاگے ہوئے ہانپنے لگے
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے سب کانپنے لگے

پھینکا جو در علیؑ نے ہر اک سمت غل ہوا — قلعہ میں بڑھ کے آ گیا لشکر رسولؐ کا
ہیبت سے ظالموں کا بہت غیر حال تھا — حیدر نے بڑھ کے سب کو حراست میں لے لیا
فوراً حضورِ احمد مختارؐ لے گئے
سب کافروں کو کر کے گرفتار لے گئے

مارا کبھی کسی کو علیؑ نے نہ بے خطا — دشمن نے گر امامؑ کو منہ پر برا کہا
اللہ رے صبر آپ نے سر کو جھکا لیا — دیدی پناہ جب ہوا طالب پناہ کا
افسوس کافروں کو علیؑ نے امان دی
لیکن حسینؑ کو نہ کسی نے امان دی

تھی کربلا کے بن میں چڑھائی حسینؑ پر — تصویر غم بنی تھی دشت میں عاشور کی سحر
تھوڑے سے تھے دوست اور عدو تھا زمانہ بھر — لیکن ہمیشہ رحمت حق پر رہی نظر
کٹوا کے حلق خشک بڑا نام کر گئے
تازہ لہو سے گلشن اسلام کر گئے

ثابت قدم جہاں میں رہے ناصران شاہ — حق پر سبھوں کی رنج و مصیبت میں تھی نگاہ
تا مرگ جان و دل سے رہے شہ کے خیر خواہ — لی نصرت حسینؑ میں بلغ خدا کی راہ
جاتی زمیں پہ گردنیں دے دے کے مر گئے
دنیا میں بات رہ گئی اور خود گذر گئے

سمجھا گئے سبھوں کو شہنشاہِ سرفراز　　محتاج ساری خلق ہے خالق ہے بے نیاز
تھا دم میں غرق ہونے کو اسلام کا جہاز　　تیغوں کی چھاؤں میں شہِ دیں نے پڑھی نماز
روزِ ازل کا شاہ نے وعدہ وفا کیا
کس تشنگی میں حقِ اطاعت ادا کیا

بچوں سے تھا اشاروں میں اصغر کا یہ بیاں　　ہے وہ ہماری موت کہ رو دیگا سب جہاں
پھولو پھلو جوان ہو تم زیرِ آسماں　　لیکن جو باپ دادا کی محنت ہو رائیگاں
دینا سبق زمانے کے برنا و پیر کو
کھانا گلے پہ شوق سے دشمن کے تیر کو

جو کام عورتوں نے کیئے کیا کروں بیاں　　ایسا بشر نہیں کوئی جس پر نہ ہو عیاں
سر برہنہ پھرائی گئی ہیں کہاں کہاں　　اعدا کے ظلم خلقِ خدا پر نہیں نہاں
کھلوا یا دستِ ظلم سے کب اپنے فرق کو
سب کو دکھا گئیں حق و باطل کے فرق کو

فضہ نے کی وفا کی زمانے میں تھا　　لونڈی جو سیدہ کی بنیں مرتبہ بڑھا
شہزادیوں کے ساتھ وہی حق ادا کیا　　کہتی تھی راہِ شام میں وہ غم کی مبتلا
چین آئے گا نہ رشتۂ الفت کو توڑ کے
میں جاؤں گی نہ بی بیوں کا ساتھ چھوڑ کے

جب سے حسنؑ نے کوچ کیا تھا سوئے جناں　　تھا کون باغِ امتِ جد کا نگاہباں
دروازہ بندگی کا تھا آئی تھی خزاں　　سب پر ریاضتِ شہِ مظلوم ہے عیاں
تلواریں کھائیں فاطمہؑ کے نورِ عین نے
سینچا ہے کربلا میں لہو سے حسینؑ نے

اے مومنین ظلم و ستم کی ہے انتہا — مانگا ہزار شاہ نے پانی نہیں ملا
تھی ٹھیک دوپہر کہ چلا خنجر جفا — ہم کیوں نہ روئیں کٹ گیا سوکھا ہوا گلا
غم زیر تیغ شوق سے کھاتے رہے حسینؑ
سوکھی زباں لبوں پہ پھراتے رہے حسینؑ

بیٹی علیؑ کی خیمے سے نکلی برہنہ سر — بیٹھا تھا شمر سینۂ سبط رسولؐ پر
زینب پکارتی تھیں ہر اک سمت دوڑ کر — مجمع ہے چار سمت ہے بھائی گئے کدھر
جاتا ہے اس طرح سے کوئی منہ کو موڑ کے
جس طرح تم چلے گئے جنگل میں چھوڑ کے

آتی تھی صاف حلق بریدہ سے یہ صدا — زینب جو تھا نصیب کا لکھا وہ ہو گیا
اب ہم ہیں اور دامن صحرائے کربلا — دم میں تمہارے سر سے بھی چھن جائیگی ردا
جاؤ گی ننگے سر یونہیں بازار شام میں
ہم تم کو یاد آئیں گے دربار عام میں

رہنا گواہ ہم نے نہ شکوہ ذرا کیا — غم میں کبھی نہ امت جد کا گلا کیا
جو کچھ کہا زبان سے اس کو وفا کیا — خنجر سے ذبح ہو کے بھی شکر خدا کیا
تم زحمتیں اٹھاؤ گی دنیا کے دشت میں
مجھ کو نہ چین آئے گا باغ بہشت میں

بارش ہو آنسوؤں کی مہذب کرو دعا — مجلس میں چار سمت کو ہے گریہ و بکا
تم نے پڑھا ہے واقعۂ دشت کربلا — کہتا ہے دل کہ مرثیہ مقبول ہو گیا
دنیا میں بھی طفیل شہ مشرقین ہیں
عقبیٰ میں بھی معین تمہارے حسینؑ ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھٹا مرثیہ

یہ مرثیہ ۲ رجب ۱۳۵۲ھ ہجری کو تمام کیا تھا۔ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء
پہلی مرتبہ یہ مرثیہ حسینیۂ جناب ناظم صاحب مرحوم میں پڑھا گیا۔

مطلع

غم لیے خیمے سے شاہنشہ صفدر نکلے

بند ۱۱۶

غم لیے خیمے سے شاہنشہ صفدر نکلے — غیظ میں حضرت عباس دلاور نکلے
بگڑا اس فوج کی جانب علی اکبر نکلے — قاسم تشنہ دہن صورت حیدر نکلے
بل پڑے ابروؤں میں تیغ دو سر کو دیکھا
جگر حضرت حمزہ نے سپر کو دیکھا

عرض کی ابن حسن نے کہ ملے اذن جہاد — جنگ پر دیر سے آمادہ ہیں سب اہل عناد
دے گئے حکم یہ بابا حسن نیک نہاد — لڑیو عاشور کو یوں برسوں رہے لوگوں کو یاد
نظر لطف و کرم مجھ پہ چچا جان رہے
آج تعمیل کا دن ہے یہ ذرا دھیان رہے

رو کے گویا ہوئے قاسم سے یہ شاہ ابرار تم نشانی ہو مرے بھائی کی میں تم پہ نثار
اذن کس دل سے میں دیتا یہ بہت تھا دشوار ہوں وصیت سے مگر بھائی حسنؑ کی ناچار
غم کی برچھی دل مضطر پہ نہ مارو بیٹا
دھوپ چڑھتی ہے پئے جنگ سدھارو بیٹا

مڑ کے قاسمؑ نے نظر کی جو ادھر اور ادھر حسب دستور پکاری یہ شجاعت بڑھ کر
آئے رہوار سواری کا برائے صفدر مل گیا اذن وغا جنگ پہ باندھی ہے کمر
سرخ آنکھیں ہیں لہو دشت میں برسائینگے
رن میں لڑنے کے لئے مثل علیؑ جائینگے

آیا رہوار سبک رو جو قریب ذی جاہ عمر و قد دونوں تھے کم پر تھی بڑی جنگ کی چاہ
منھ سے کچھ کہہ نہ سکا پاس ادب سے وہ ماہ یاس سے کی رخ فرزند پیمبرؐ پہ نگاہ
دیکھ کے صورت معصوم بہت پیار کیا
بڑھ کے خود سید ابرار نے اسوار کیا

کر کے تسلیم بزرگوں کو بڑھایا جو فرس تھا اصالت میں جو یکتا تو دکھانے لگا کس
تھی سموں کو سر کفار پہ چلنے کی ہوس صاف نعلوں کی چمک کہنے لگی شامیو بس
ہوش میں آؤ دم رنج و محن آیا ہے
جنگ یہ کھیل نہیں ابن حسنؑ آیا ہے

باگ لیتے ہی بنا برق جہندہ رہوار رعد کی طرح جو گرجا تو ہوا حشر اک بار
یوں زمیں ہنکی ہلی گرنے لگے زیں سے سوار گھوڑے آپس میں لڑے ہو گیا اعدا کا فشار
دل تڑپ کے یہ پکارے دم فریاد آیا
کافروں پر جو پڑا وقت خدا یاد آیا

رخش کی چال میں ہے شانِ جوانی پیدا — بولے کفار ہوا دشمنِ جانی پیدا
کیوں فرس میں نہ ہو دریا کی روانی پیدا — جس جگہ ٹاپ پڑی ہو گیا پانی پیدا
جسمِ گُل سا دمِ رفتار یہ تبلاتا ہے
پھول بہتا ہوا دھارے پہ چلا آتا ہے

کف گراتا ہے دہانے کو چباتا ہے فرس — دھوپ میں چاندنی کے پھول لٹاتا ہے فرس
توسنِ چرخ کو کب دھیان میں لاتا ہے فرس — تا سما دوڑ کے جاتا ہے اور آتا ہے فرس
تھمکے ہے قطبِ فلک چلنے میں طرار بھی ہے
کیا ستارہ ہے جو ثابت بھی ہے سیار بھی ہے

دوڑتا پھرتا ہے میدان میں فرفر کیا کیا — ہوتی جاتی ہے پسینہ سے زمیں تر کیا کیا
چوٹیاں دیتی ہیں بو صورتِ عنبر کیا کیا — رخش کو حق نے عطا کر دیے جوہر کیا کیا
دشت میں قطرے عرق کے جو ٹپک جاتے ہیں
دھوپ میں گوہرِ نایاب نظر آتے ہیں

سن کے ٹاپوں کی صدا سب دلِ کفار ہلے — متزلزل جو ہوئے رخش تو رہوار ہلے
کانپی یوں ساری زمیں کوہِ گراں بار ہلے — ٹوٹ کے برگ گرے زور سے اشجار ہلے
گو نہ تھی طائروں میں طاقتِ پرواز اُڑے
آ گیا حشر یہ دیتے ہوئے آواز اُڑے

حُسن میں طاق ہے جانِ حسنِ سبز قبا — رُخ سے ظاہر ہے جلال و غضبِ شیرِ خدا
جلوہ گر رخش پہ ہے شبلِ رسولِ دوسرا — پیاس کی حد ہے حدِ تشنگی شاہِ ہدیٰ
زور ان بازوؤں میں حیدرِ کرار کے ہیں
دبدبہ کہتا ہے شاگرد علمدار کے ہیں

کھینچتی ہے دلِ کفّار کو قاسمؑ کی نظر زلفیں بل کھاتی ہیں ابرو ہیں مثالِ خنجر
کہہ رہا ہے شبِ یلدا اسے سیاہی کا اثر چھپ گئی گیسوؤں میں شامِ جوانی آ کر
کب بھلا نورفشاں چاند سی صورت نہ ہوئی
حسنِ طفلی کو جوانی کی ضرورت نہ ہوئی

دھوپ میں ابنِ حسنؑ اور زیادہ ہیں حسیں مثلِ مہ نورفشاں ہے عرق آلودہ جبیں
کہتا ہے چاند سا رخ شامِ جوانی ہے قریں روئیگی عصر کو کہہ کہہ کے یہی ماں غمگیں
کشتیِ عمر سرِ بحرِ فنا آ پہنچی
خط جوانی کا نہ آیا کہ قضا آ پہنچی

خوفِ قاسمؑ جو سرِ دشتِ بلا بڑھتا ہے ڈر سے آگے نہ کوئی اہلِ جفا بڑھتا ہے
صفِ اعدا کی طرف دستِ قضا بڑھتا ہے سن کے ہمراہ یہاں جوشِ وغا بڑھتا ہے
سختیاں جنگ کی حیدرؑ کی طرح جھیلیں گے
ضد یہ بچپن میں ہے تلوار و تیغ سے ہم کھیلیں گے

رخشِ میدان کی جانب تھا روانہ فر فر سن کے باجوں کی صدا کان اٹھاتا تھا لشکر
راہ میں ہو کے رکابوں پہ جری نے لنگر کی کھڑے ہو کے سوئے لشکرِ کفّار نظر
غل ہوا فوج میں بھاگو کہ دلیر آیا ہے
چھوڑ دو میدانِ وغا غیظ میں شیر آتا ہے

کہہ رہا ہے یہ غضب شیر کو ہے شوقِ جدال جنگ کو پہلے پہل آتا ہے شبّر کا لال
سامنے ماں کی ہے عاشیہ پہ حمزہ کی ہے ڈھال رخِ چہرے پہ ہے بڑھتا ہوا حیدرؑ کا جلال
خوف سے قلبِ ستمگاروں کے تھراتے ہیں
خیبری چیخ رہے ہیں کہ علیؑ آتے ہیں

رو میں ڈالے ہوئے گھوڑے کو رواں تھا صفدر　　　تیز کرتا تھا فرس شوقِ وغا بڑھ بڑھ کر
نگراں دیر سے تھا جانبِ غازی لشکر　　　بیٹھ کے گرد نے دی آمدِ قاسمؑ کی خبر
غم کا دریا دلِ اعدا کو ڈبوتا آیا
شور اُٹھا اسد اللہ کا پوتا آیا

فوج پر حسن کی گرمی نے اثر دکھلایا　　　حدّتِ خوں جو ہوئی تیز پسینہ آیا
طائرِ جاں قفسِ تن میں بہت گھبرایا　　　دل کو سب نے کُرۂ نار کی صورت پایا
نفسِ سرد ہوا گرم شرارے نکلے
غل ہوا شامیوں میں دن کو ستارے نکلے

فوجِ کفّار کو حدّت کے اثر نے مارا　　　غضبِ قاسمِ تفتیدہ جگر نے مارا
حسن کی آگ نے غصّے کی نظر نے مارا　　　شیر نزدیک ہے اس گرم خبر نے مارا
کہتے ہیں دل سے یہ سردار عجب غم میں پڑے
جل کے ہم مر رہے ہیں فوج جہنم میں پڑے

جل گئے خانۂ دل سینۂ کفّار جلے　　　حسرتیں گھٹ کے پکاریں کہ مکاں دار جلے
غیظ قاسم کی گری برقِ ستمگار جلے　　　آ گئیں سر پہ جو دو آفتیں یکبار جلے
ایک تو آمدِ غازی کی صدا نے مارا
دوسرے مادرِ قاسمؑ کی دعا نے مارا

گھوڑے روکے ہوئے میداں میں کھڑے تھے سردار　　　ابھی شبدیز نے بھی نہ پائی تھی ہوا دو کی قطار
آگیا شوقِ وغا لے کے حسنؑ کا دلدار　　　شیر نے مثلِ علی دشت میں روکا رہوار
رخ پہ بل کھاتے ہوئے گیسوئے خمدار آئے
غیظ نے بڑھ کے کہا حیدرِ کرار آئے

یا علیؑ کہہ کے رجز پڑھنے لگا ابن حسنؑ
خیبری کانپ گئے ملنے لگا سارا بن
ہو کے خم گوش پر آواز ہوا چرخ کہن
باجے چپ ہو گئے خاموش ہوا بولے رن
دی صدا پڑ گئی خیبر میں دہائی پوچھو
پر جبریل سے ہاتھوں کی صفائی پوچھو

رنگ لاتی ہے زمانے میں محبت کیا کیا
کر گئی نام اسد اللہ کی الفت کیا کیا
کی ہے پیغمبر اسلام کی نصرت کیا کیا
انقلاب آئے جہا نمیں شب ہجرت کیا کیا
پھر گئے دین کی کشتی کے ڈبونے والے
جان کو بیچ کے سویا کیئے سونے والے

جان ایوب ہوں میں ظلم کے بانی دیکھیں
پیاس میں صبر کے دریا کی روانی دیکھیں
حسن کے مصر میں ہوں یوسف ثانی دیکھیں
یہ پسینہ ہے کہ تسنیم کا پانی دیکھیں
پھول سے تن کی مہک تابہ جناں جاتی ہے
شیر زہراؑ کی مرے خون سے بو آتی ہے

مرتبہ حق نے بڑھایا نہیں گیا کیا اپنا
حق کی تلوار پہ بھی ہو گیا قبضہ اپنا
حق جتاتے ہیں سبھی خلق میں اپنا اپنا
اصل پوچھو تو زمیں اپنی ہے دریا اپنا
بوتراب احمد مرسل کے وصی دہر میں ہیں
جتنے دریا ہیں وہ سب فاطمہ کے مہر میں ہیں

ہم نہ ہوتے تو یہ احکام نہ ہوتے جاری
ہم کہیں جو وہی ہوتا ہے کلام باری
وزن میں سارے زمانے سے ہے قرآں بھاری
ہم سے اور اس سے دو عالم کی ہے رشتہ داری
جتنے ہیں عقدۂ لاحل بخدا کھولتے ہیں
حرف قرآں پہ آئے تو ہمیں بولتے ہیں

سیر ہیں میوؤں کو فردوس کے کھاتے کھاتے ایک عادت سی ہوئی عرش پہ جاتے جاتے
وحی معبود شب و روز میں لاتے لاتے اپنی ڈیوڑھی پہ ملک تھک گئے آتے آتے
عرش بھی گھر کے مقابل کبھی پایا نہ گیا
بے اجازت ملک الموت سے آیا نہ گیا

دی یداللہ نے سائل کو جو اونٹوں کی قطار مال و زر راہ خدا میں کیا بابا نے نثار
سر کے دینے میں چچا کو نہیں مطلق انکار ہم وہ یوسف ہیں کہ بچپن میں دکھایا ایثار
رنگ پھولوں کو تو دریا کو روانی دیدی
خود رہے طفل زلیخا کو جوانی دیدی

آستیں کو جو غضب میں دم ہیجا الٹوں انقلاب آئے جہاں میں صف اعدا الٹوں
حسن کے ہاتھ سے ہر قلب کا طبقہ الٹوں گردش چشم سے یوں کام تو دنیا الٹوں
گردش نوح کے طوفاں کی کہانی ہو جائے
پیاس میں چاہوں تو دنیا ابھی پانی ہو جائے

سن کے یہ بہر جدل فوج کے سر دلور بڑھے جان کے طفل نئے شیر وہ مکار بڑھے
دیکھ نیزوں کو کماں چھیڑ کے رہوار بڑھے سنگ دل کھینچے ہوئے خنجر خونخوار بڑھے
تیغیں کھینچے ہوئے میدان میں جلاد آئے
سامنے بہر دغا بانی بیداد آئے

باندھ لی چھوٹے سے ہاتھوں سے دلاور نے کمر غیظ میں دیکھ رکابوں پہ جری نے لشکر
ڈالدی لشکر کفار پہ غصے کی نظر بل پڑے ابروؤں میں ہاتھ گیا قبضے پر
ابر میں شامیوں کے تیغ شرربار کھینچی
کام کرنے کو بڑے چھوٹی سی تلوار کھینچی

تیغ کمسن ہو نہ ہو حسن میں کیونکر ممتاز | اسکی رفتار میں پیدا ہیں ہزاروں انداز
فوج اعدا میں ہے معشوق جہاں تفرقہ ساز | دو زبانیں ہیں مگر ایک بھی کہتی نہیں راز
ضد یہ ہے ہم تن اعدا سے گرٹھے پاٹینگے
جتنے ہیں دشمن دیں سب کے گلے کاٹینگے

قتل کفار سے تلوار نے کب منھ موڑا | خون ہر زخم سے نکلا کیا تھوڑا تھوڑا
جس میں تھی وصل کی حسرت اسی دل کو توڑا | اپنے نزدیک لہو پی گئی سب جب چھوڑا
کرلیا طے نہیں باقی ستم باقی ہے
ملک الموت پکارے ابھی دم باقی ہے

منھ کسی دشمن خالق کو لگاتی ہی نہیں | کرچکی قتل مگر آنکھ ملاتی ہی نہیں
کونسا ہے وہ ستم تیغ جو ڈھاتی ہی نہیں | عشوہ گر بسملوں کے پاس سے جاتی ہی نہیں
ہے یہ حسرت کہ بدلتے ہوئے دنیا دیکھوں
جسم سے روح نکلنے کا تماشا دیکھوں

بڑھ کے قاسم نے جدھر وار کئے سر کاٹے | نیمچے کاٹ کے خنجر کئے خنجر کاٹے
خود و چار آئینہ و جوشن و بکتر کاٹے | سب کا دل رکھ لیا دل سب کے برابر کاٹے
حسرتیں کہہ کے چلیں زلزلے سامان نہ رہے
جن مکانوں میں رہا کرتے تھے ارمان نہ رہے

یوں چلی دست جوانان عرب کاٹ گئی | دوڑ کے پاؤں سواران حلب کاٹ گئی
بس صفائی سے رگ جاں کو وہ جب کاٹ گئی | اڑ گیا سر نہ کھلا حال کہ کب کاٹ گئی
بند ہو جاتی ہیں دنیا سے گذر کے آنکھیں
کیسی حسرت تھی کھلی رہ گئیں مر کے آنکھیں

قتل پر تیغ حسین ابن حسن ہوئی ہے مائل　　　رہ گئے رکتے نہیں اعدا کے تڑپتے ہوئے دل
خاک پر چار طرف لوٹ رہے ہیں بسمل　　　دیکھ کے دور سے صدقے ہوئے ہیں اے قاتل
نکلیں ارمان سوئے قلب و جگر ہوتی جا
تیرے انداز کے صدقے ہوں ادھر ہوتی جا

تیغ قاسم نے سر دشت جو بکتر کاٹا　　　تھی یہ تیزی نہ کھلا حال کہ کیونکر کاٹا
اس کا دل چاک کیا اسکا کبھی سر کاٹا　　　کیا عدالت تھی کلیجے کو برابر کاٹا
تیغ کب خون میں سینے کے نہا کے نکلی
تھی جو محتاط تو دامن کو بچا کے نکلی

خواہش تیغ ہے خون تن اعدا نہ رہے　　　جن سروں میں ہے عشق کا سودا نہ رہے
چاہتی ہے کہ کسی دل میں تمنا نہ رہے　　　ملوں جی بھر کے گلے کوئی تڑپتا نہ رہے
ہو شکایت نہ کسی کو کہ ہمیں چھوڑ گئی
سنگدل ہائے غضب شیشۂ دل توڑ گئی

بس پکارے پسر سعد کو او نافرجام　　　ہم ذرا جم کے لڑے بھاگ گیا لشکر شام
مٹ گیا آج شجاعان عرب و روم کا نام　　　صاف میدان ہوا روک لی ہمنے صمصام
خون سے سرخ بیاباں کو دم جنگ کیا
ہمنے دو ہاتھ میں سرداروں کو بے ننگ کیا

سن کے آواز جری دل پہ نہ قابو پایا　　　پسر سعد ستمگار بہت گھبرایا
خیمۂ ازرق شامی میں بہ تعجیل آیا　　　بولا ظالم سپہ شام نے گھونگھٹ کھایا
ہتک اس وقت یزید ستم ایجاد کی ہے
کر حمایت کہ ضرورت تری امداد کی ہے

پاس بیٹوں کو بلا کے ہوا گویا مکّار
کچھ خبر ہے کہ ہوئی دشت میں کیسی پیکار
ہے عجب وقت لڑائی پہ ہو جلدی تیار
چل گئی ابن حسن سے سر میدان تلوار
کب سے آواز مبارز طلبی دیتا ہے
سامنے تیغ کو روکے ہوئے دم لیتا ہے
ہے عجب وقت بس اب بائل پیکار ہو تم
اسلحہ تن پہ سجو جنگ پہ تیار ہو تم
نا سمجھ ابن حسنؑ اور سمجھ دار ہو تم
تن تنہا وہ اُدھر اور ادھر چار ہو تم
جسم میں اُس کے لہو حیدر کرار کا ہے
تم کو لڑنا کہ یہ شاگرد علمدار کا ہے
سُن کے چاروں نے لڑائی کا کیا بندوبست
کمر ظلم کو باندھا تو ہوئی نصف شکست
ساغر مے پیئے دو چار ہوئے اور بھی مست
قد بالا جو گھٹے خوف سے ظالم ہوئے پست
اسلحہ تن پہ سجا جنگ پہ تیار ہوئے
باپ سے اذن لیا گھوڑوں پہ اسوار ہوئے
باگ لی چاروں نے، چاروں نے لگائے کوڑے
بوجھ سے چل نہ سکے تیز وہ چاروں گھوڑے
دشت میں خون کی پھیلی تھی جو بُو منھ موڑے
تھی مسافت جو زیادہ تو ہوئے دل تھوڑے
رن میں تصویر قضا صاف نظر آتی تھی
موت کھینچے ہوئے چاروں کو لئے جاتی تھی
کی جو ہیں قاسم ذی جاہ نے چاروں پہ نظر
زلف بل کھانے لگی غیظ میں بدلے تیور
چست بیٹھے فرس تیز پہ کستے ہی کمر
پاک کی خون سے کفار کے شمشیر دو سر
کھا گئے تیر نظر سینہ فگار آتے ہیں
خوش ہوا شیر کہ اب زد پہ شکار آتے ہیں

سوئے قاسم وہ جفاکار چلے آتے تھے — کہ اُڑاتے ہوئے رہوار چلے آتے تھے
دیکھتے تک کے کو ہر بار چلے آتے تھے — دل بڑھاتے ہوئے سردار چلے آتے تھے
ناگہاں قاسمِ ذیشاں کے قریں آ پہونچے
شیر کو غیظ بڑھا دشمنِ دیں آ پہونچے

کس تکبر سے یہ گویا ہوئے چاروں مکار — کس کے بیٹے ہو کرو نام و نسب کا اظہار
اس سِن و سال میں جرأت ہے تمہاری بیکار — دستِ نازک سے اُٹھائے نہ اُٹھے گی تلوار
تم ہو کمسن بھی اکیلے بھی یہاں چار ہیں ہم
دی صدا جان دلِ حیدرِ کرار ہیں ہم

سُن کے یہ ہونٹ چبانے لگے وہ ہرزہ درا — کیا چاروں نے جو تیغوں کو نیاموں سے جدا
بڑھ کے فوج آ گئی نزدیک ہوا حشر بپا — تول کے تیغ کہا شیر نے یا شیرِ خدا
دشت میں برق صفت تیغِ شرربار چلی
کہہ کے یہ ہٹ گئی سب فوج کہ تلوار چلی

حملے کرنے لگا بڑھ بڑھ کے حسن کا دلبند — پیچھے گھوڑوں کو ہٹانے لگے وہ ظلم پسند
مل گئے خاک میں چاروں یہ ہوئی گرد بلند — دیکھ کے برقِ شرربار چمکتے تھے سمند
ظاہر اُس شیر نے ہاتھوں کی صفائی کر دی
ایک ظالم کے سر و تن کی جدائی کر دی

گر گیا خاک پہ جو بانیٔ ظلم و بدعت — بڑھ گیا شیر کا دل گھٹ گئی سب کی قوت
چار آنکھیں نہ ہوئیں خوف سے چھائی دہشت — بڑھ کے پھر ہاتھ جو ملا تو دکھائی جدت
یوں کئے دوسرے بھی بانیٔ شر کے ٹکڑے
ہو گئے ازرقِ شامی کے جگر کے ٹکڑے

خاک پر گرتے ہی بس موت کی لی انگڑائی — ہاتھ قاسمؑ کا کھلا اور قیامت آئی
جوش میں خون بھری تیغ دو دم چمکائی — پاس سے تکنے لگے بھائی کو دونوں بھائی
دی صدا موت نے کیوں سوئے برادر دیکھو
کس طرح چلتی ہے اب تیغ ستم پرور دیکھو

دل میں سب سمجھے ستم ایجاد کہ بچنا ہے محال — دست و پا کانپ اٹھے روک لی چہرے پہ ڈھال
تھا بہت غیظ و غضب میں اسد اللہ کا لال — تیرے ظالم خود سر کو دکھایا یہ جلال
تھام کے بند کمر یوں سوئے لشکر پھینکا
خیبری سمجھے علیؑ نے در خیبر پھینکا

گر گیا خاک پہ گر کے جو ستم کا بانی — مجھے غش آگیا بیدہ خون نے چھڑکا پانی
ہنس کے کہنے لگا جو تجھ سے علی کا جانی — وقت تیرا ابھی ہو تردید ہے کیوں حیرانی
دل جگر تیغ شرر بار سے ہل جائیں گے
جا جہنم میں تجھے بھائی بھی مل جائیں گے

سن کے یہ چہرۂ ظالم کا بدلنے لگا رنگ — ہٹ گئے دو چار قدم پھر ہوا آمادۂ جنگ
لی کماں مارا خطا کار نے گھبرا کے خدنگ — کاٹ کے تیر تہی قاسمؑ ذیشاں نے درنگ
رن ہلا ہاتھ اسد نے دم ہیجا مارا
صدر بدذات پہ تلوار کا قبضہ مارا

ٹیک کے ہاتھ جھکا جانب قربوس عدو — پشت توسن پہ اگلنے لگا بدذات لہو
دست و پا اس ستم آرا کے ہوئے بے قابو — اب جو تلوار لگائی تو ہوا غل ہر سو
خون اگلوا کے سزا ظلم کی دینے والے
مرحبا شیر عوض باپ کا لینے والے

خون میں ڈوب گئے دامن زیں بستر تا سر
لی جو گھوڑے نے پھریری تو گرا بانی شر
بیٹے کام آ گئے رن میں ہوئی ازرق کو خبر
دل ہوا خون لہو میں جو بھرے لخت جگر
غیظ میں خیمے سے وہ کفر کا حامی نکلا
تن پہ ہتھیار سجے ازرق شامی نکلا

غم اولاد کا سینہ پہ جو کھایا بھالا
خم کمر مثل کماں ہو گئی دل تھرّایا
سامنے اسپ تن و مند جو خادم لایا
تیر سا پشت فرس پر وہ خطا کار آیا
غم اولاد لعیں کو سبب جنگ ہوا
ہاتھ میں باگ جو لی زیست سے دل تنگ ہوا

پسر سعد نے دی شمر لعیں کو یہ صدا
ساتھ جا بہر مدد ازرق شامی کی ذرا
تھرتھری جسم میں ہے غم ہے اُسے بیٹوں کا
دل ہے بیتاب تو قابو میں نہیں دست و پا
سن کے یہ شمر ستمگار لعیں ساتھ چلا
رن میں ازرق کا بٹانے کے لئے ہاتھ چلا

ہمرہ ازرق شامی جو چلا شمر اُدھر
اس طرف ہو گئی سقائے سکینہ کو خبر
گھوڑے پر بیٹھ گئے کھینچ کے شمشیر دو سر
باگ اُٹھاتے ہی چلے رن کو مثال حیدر
اُس طرف دونوں ستمگار چلے آتے تھے
اس طرف حضرت عبّاس بڑھے جاتے تھے

اسد اللہ کے پوتے نے اُٹھائی جو نگاہ
دیکھا اک جھومتا آتا ہو ادھر دو سیاہ
ہمرکاب ستم ایجاد ہے شمر گمراہ
ہو گیا جنگ پہ تیار جری غیرت ماہ
بل پڑے ابروؤں میں شیر کا دل بڑھنے لگا
جھوم کے ابن حسن ناد علی پڑھنے لگا

بیک گھبرا کے یہ چلائے قیامت آئی — شور قرنا کا ہوا بجنے لگی شہنائی
کروٹیں نہر نے لیں پیاسے نے لی انگڑائی — ہنہنا کے جو بڑھا رخش زمیں تھرائی
گیسوئے ابن حسنؑ غیظ میں بل کھانے لگا
اسد اللہ کے پوتے کو جلال آنے لگا

داب کے رانوں میں ازرق نے اڑایا رہوار — باجے سب ہو گئے چپ رن میں تھا جب غدار
شمر نے بڑھ کے کہا ہے یہ حسنؑ کا دلدار — اسی بچے نے کیا بیٹوں کو تیرے فی النار
کام تاخیر سے اسدم نہ ذرا لے ظالم
بڑھ کے جلدی اسے گھوڑے سے اٹھا لے ظالم

باتیں یہ سنتے رہے کچھ نہ ہوا دل کو ہراس — مسکرایا کئے اللہ رے قاسمؑ کے حواس
ناگہاں شمر ڈرا چھا گئی ازرق پہ یاس — رخش دوڑا کے قریب آ گئے فوراً عباسؑ
دی صدا شیر نہیں جنگ سے ٹلنے والے
ہیں صدا سائے میں تلواروں کے چلنے والے

کہتا ہے زین سے ظالم کو اٹھا لے بیدرد — تو ذرا ہاتھ لگا لے تو میں سمجھوں کہ ہے مر
پارۂ دل حسنؑ پاک کا عالم میں ہے فرد — چار تھے ایک طرف دیکھ لی تنہا کی نب
نہ رہا زیست کا ازرق کی سہارا ظالم
چاروں بیٹوں کو اسی شیر نے مارا ظالم

شمر نے ازرق شامی کو صدا دی یکبار — دیر اچھی نہیں کھینچ اب صفہانی تلو
وقت دے ابن حسنؑ کو نہ زیادہ زنہار — دم جو لے گا تو قیامت کی کرے گا یک
تجربہ کار ہے تو دیر نہ کر اے ظالم
چھین لے تیغ دو دم دست جری سے ظالم

سُن کے یہ بہرِ جدل ازرقِ مکّار بڑھا | تیر سا سوئے اسد یوں وہ خطاکار بڑھا
میان کو پھینک دیا کھینچ کے تلوار بڑھا | جھوم کے بہرِ مدد شمر ستمگار بڑھا
اس طرف بہرِ کمک غیرتِ الیاس بڑھے
تول کے تیغ دو دم حضرتِ عباسؑ بڑھے

ناگہاں شور ہوا بجنے لگا نقارہ | دشت کا روحِ حسنؑ کرنے لگی نظارا
خوفِ غازی سے دلِ شمر تھا پارا پارا | ناگہاں ابنِ حسن شمر کو یوں للکارا
موت آئی ہوئی ٹلنے سے کہیں ٹلتی ہے
بڑھ کے ازرق کو بچا تیغ دو دم چلتی ہے

کہہ کے یہ قاسمِ ذی جاہ نے کی تیغ بلند | دل لئے ہمراہ بڑھا جوش میں غازی کا سمند
شکلِ دیوِ سیہ سمت چلا ظلم پسند | دی یہ سقائے سکینہؑ نے صدا اے دلبند
خونِ ازرق کو دمِ جنگ لٹاؤ رن میں
ہے تن و توش بہت خوب تھکاؤ رن میں

شمر کو پھر یہ پکارے کہ بڑھ او نافرجام | شیر کرتا ہے شکار اب یہ مدد کا ہنگام
لیا قاسمؑ نے جو تنکے اسد اللہ کا نام | بن گیا حیدرِ کرار حسنؑ کا ضرغام
آئی آواز یداللہ کہ فی النار کرو
رن میں زد پر اسے لا کے مری جاں وار کرو

ساقیا ہاں مئے عرفاں کا عنایت ہو جام | لب پہ قاسم کے دمِ جنگ جو آیا ترا نام
شوق کی چل گئی ساقی مرے دل پر صمصام | نشۂ عشق تو میخوار کو آئے آرام
نہ ملے جام حریفوں کو یہ کہہ دے ساقی
واجب اس وقت مہذب کی مدد ہے ساقی

ساقیا چاہتے ہیں خلق میں بعضے میخوار نہ مہذب کو ملے ایک بھی ساغر زنہار
تیرے میکش سے عداوت کی ہیں باتیں بیکار خواب غفلت میں ہیں کر دے انہیں ساقی ہشیار
حاسدوں کی ہے خوشی غنچۂ دل کھل جائے
مے ہے خمخانے میں جتنی وہ نہیں مل جائے

ساقیا جلد مے عشق کا اک جام پلا میکشوں میں رہے تا حشر ترا نام پلا
ہو نہ تاخیر پئے بانیٔ اسلام پلا آج جی بھر کے پلا چھوڑ کے سو کام پلا
جام دیکھوں تو ہو کم اشک فشانی میری
ساقیا رحم کے قابل ہے جوانی میری

جس سے سینچا گیا اسلام کا گلشن وہ شراب عالم خوف میں جو ہوتی ہے اماں وہ شراب
پڑھ کے جو پھاڑتی ہے کفر کا دامن وہ شراب صورت شمع جو تھی عرش پہ روشن وہ شراب
دور جس بادہ کا معراج میں چلتے دیکھا
جس کی لو سے دل احمد کو سنبھلتے دیکھا

جس سے تھی گنبد فیروزہ پہ مینا کاری رات دن فیض کا جس کے ہے دریا جاری
باغ عالم کی ہوئی جس کے سبب تیاری جس کے نشہ میں محمدؐ کو ملی مختاری
زینت بارگہ ربّ علا کہلائے
پی مے عشق تو محبوب خدا کہلائے

ذکر اسی مے کا کیا کرتے تھے ذات حمید ہر گھڑی مانگتے تھے ساقی کوثر سے جدید
جان و دل سے تھے فدا نام پہ اس مے کے سعید دم نکلنے میں بھی پیتے رہے ایسے تھے رشید
لوگ کہتے ہیں کہوں کیوں یہ بھلا میں ساقی
خم کے خم اپنے گھرانے میں لنڈھے ہیں ساقی

دے وہ مے ختم رسل جسکے بنے شیدائی
جس کی بو باس دل و جاں نبی صلعم کو بھائی
حق کی بھیجی ہوئی جبریل امیں سے پائی
گھر میں زہرا کے ستارہ سی چمکتی آئی

ساقیا عرش پہ احمد کی جو دمساز بنی
کیں جو اللہ نے باتیں تری آواز بنی

ساقیا جلد سے جلد آج عنایت ہو جام
تجھکو خالق نے دیا رزق کی تقسیم کا کام
کیوں نہ مانگوں ترا مداح ہوں صبح و شام
حال قاسم میں مجھے مرثیہ کرنا ہے تمام

دے مے عشق طبیعت میں روانی ہو جائے
سختیٔ نظم مرے واسطے پانی ہو جائے

کر فدا جان و دل ساقیٔ حوض کوثر
بار عصیاں سے سبک آیا [illegible] گھر
جلد آ غیب کے پردے کو اٹھا کے باہر
دفعتہً ہو گئی اسلام کی حالت ابتر

مرض الموت نے دکھلائی ہے صورت آقا
اب ہے اعجاز مسیحا کی ضرورت آقا

چھپ چکا خوب لکھا حسن رخ نورانی
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تجھکو ہوس ایمانی
آئینہ موت کا دکھلا رہی ہے حیرانی
دور کر نزع کی تکلیف پلا دے پانی

شکل راحت کی ہے دنیا سے گذر جانے میں
اب تو صحت نظر آتی ہے تو مر جانے میں

نام لیتا نہیں جانیکا کہیں خوف و ہراس
ہے غضب بات نہیں [illegible] ہے اک خوش پاس
تاج والوں کے جسد پر ہے غلامی کا لباس
کفر کی تیغ ہے اسلام کی شہ رگ کے پاس

بہر حق عرض مہذب کو نہ ٹالو مولا
جد امجد کی منقبت کو بچا لو مولا

اللہ اللہ نظر آتی ہے اب یہ منزل حق پہ کس غیظ کی پڑتی ہے نگاہ باطل
کر دیا کفر نے اسلام کا جینا مشکل کردو تیغ اسد اللہ کو حد فاصل
عدل و انصاف سے معمور خدائی کردو
اے محمد حق و باطل میں جدائی کردو

ڈر یہی ہے نہ کہیں غیب سے دو تم آواز کوئی اپنا نہیں ہر ایک کے ہم ہیں دمساز
نہیں جھکتا سوئے معبود سر راز و نیاز اٹھ گئے خلق سے اسلام کے سچے جانباز
غرق کشتی ہوئی طوفان میں ایمانوں کی
ہم سمجھتے ہیں جو حالت ہے مسلمانوں کی

ایک کا ایک ہے اسلام کی دنیا میں عدو بھائی پیتا ہے بڑے شوق سے بھائی کا لہو
مل گئی سیرت قابیل سے ہر ایک کی خو چل گیا دولت دنیا کا یہ دل پر جادو
بھول کے حکم شریعت نہ کبھی یاد ہوئے
جتنا پابند کیا اتنے ہی آزاد ہوئے

بدعتیں کرتے ہیں ایمان کے رشتہ ایجاد ہوئی پیغمبر اسلام کی محنت برباد
بھولے عقبا کا سبق درس ہو دنیا کا یاد قید مذہب سے کیا اہل جہاں نے آزاد
بے نقاب آتے ہیں بازار میں آنے والے
کیا مسلمان ہیں پردے کے اٹھانے والے

دوستی شر سے ہے اور خیر سے دل کو نفرت دل کے محکوم ہیں کرتے نہیں حق کی طاعت
چھائی قرآں کی اس درجہ دلوں پر ہیبت کیا غضب ہے کہ نہ کبھی بھولکے دیکھی صورت
ایک دن بھی نہ پڑھا خلق کے دکھلانے کو
گھر میں رکھا رہا قرآن قسم کھانے کو

جس قدر خلق ہے سب محو اطاعت ہوگی　　عزت اسلام کی اور کفر کی ذلت ہوگی
سارے آرام پسندوں کو مصیبت ہوگی　　ہم اگر ہو گئے ظاہر تو قیامت ہوگی
وقت مشکل سے ملے گا انہیں راحت کیلئے
آئیں گے خانۂ معبود میں طاعت کے لئے

اے دل و جان علیؑ دو گے یہ آواز اگر　　میں کہوں گا کہ بجا کہتے ہیں بندہ پرور
جد کے صدقے میں عنایت ہو مجھے اک ساغر　　مائل جنگ ہے میداں میں حسنؑ کا دلبر
کہتی ہے رن میں چمک تیغ شرربار چلی
حملہ ور قاسم ذیشاں ہوئے تلوار چلی

تول کے تیغ بڑھا غیظ میں پھر وہ صفدر　　کیا قابو میں فرس ازرق شامی نے ادھر
ہونٹ دانتوں میں دبا کر جو بڑھا بانی شر　　سن سے تلوار چلی کٹ گئی شمشیر دو سر
دست و پا شل ہوئے سفاک کا دم پھول گیا
یاد تھے جتنے فن جنگ وہ سب بھول گیا

واہ کیا خوب مری جان پکارے عباسؑ　　پھینک دی تیغ گئے ازرق شامی کے حواس
شیر شاباش ہوا دیکھ کے روبہ کو اداس　　لا کے بےدرد ستمگر نے فرس آ گیا پاس
زہر آلود جو تھا پاس دو دھارا خنجر
دل پہ ابن حسنؑ پاک کے مارا خنجر

آ کے پہلو پہ ستمگر کی کلائی تھامی　　صورت شیر وغا دیکھ کے جھجکا شامی
سر پہ تھی موت نہ تھا کوئی لعین کا حامی　　انگلیاں کٹ گئیں ظالم کو ہوئی ناکامی
صورت ماہی بے آب سر خاک گرا
غم سے دل بیٹھ گیا خنجر سفاک گرا

ہو گیا ازرق شامی جو لولوں حیراں — پیچھے گھوڑے کو ہٹا لایا شقی دشمن جاں
دل جو سہما ہوا تھا کانپتا تھا بے ایماں — جلد شانے سے اتاری ستم آرا نے کماں
ہوش میں پہلے ہی سے ظالم بے پیر نہ تھا
ہاتھ ترکش میں جو ڈالا تو کوئی تیر نہ تھا

تان کے نیزۂ خطی کو چلا بانیٔ شر — کج ہوا اسپ تنک سیر نہ بیجا اِدھر
تھام کے چوب ملا کے ستم آرائے نظر — دیا اس زور سے جھٹکا کہ نہ سنبھلا خود سر
جلد سیدھا ہوا ہرنے سے لپٹکے ظالم
شمر کو پاس سے تکنے لگا ہٹکے ظالم

پھیر کے رخش سوئے فوج چلا وہ مکار — دی صدا بھاگ کے جاتا ہے کہاں او غدار
فرس تیز کو دوڑا کے حسن کا دلدار — روک کے راہ ستمگر کی دکھا کے تلوار
غیظ میں کہنے لگا شیر کہ تھم او ظالم
نذر شمشیر دو دم فرق ترا ہو ظالم

دی یہ عباس دلاور نے صدا اے ضیغم — گو لڑائی ہے بڑی عمر تمھاری ہے کم
مار لو رن میں جھپٹ کے نہیں دوبارہ میں دم — سانس چڑھتی ہے لعیں کی نہ ہوا تنا برہم
زخم پر زخم مری جان لگاتے جاؤ
تیغ سے ازرق شامی کو دباتے جاؤ

اب نہ مرکب میں ہے دم اور نہ راکب میں ہے جان — تھام کے دست شقی کیوں نہیں دیتے ہو نکان
ڈگمگاتا ہے فرس پر یہ جفا جو ہر آن — خوب دوڑا کے تھکا لو میں تمھارے قربان
تنگ ہے زیست سے کہتے ہیں لرز کر گھٹنے
ٹیکے دیتا ہے فرس تھک کے زمیں پر گھٹنے

تھا بہت رخش و قد ارزقِ شامی جو بلند
وار کرنے سے تھا مجبور حسنؑ کا دلبند
پیچھے گھوڑے کو ہٹانے جو لگا ظلم پسند
گھوڑا دوڑا کے قریب آیا دغا کا پابند

بولے عباسؑ مروت کو نہ جا دو قاسمؑ
تھام کے بند کمر جلد گرا دو قاسمؑ

کام جلدی کا ہے کس واسطے کرتے ہو درنگ
کٹ گئی تیغ شقی اور نہیں ترکش میں خدنگ
سن کے یہ قاسم ذیشاں ہوئے آمادۂ جنگ
کہا ظالم سے کھلا ہے ترے رہوار کا تنگ

خوف گرنے کا جو تھا بانیِ بیداد جھکا
سر اٹھانے کی سزا تھی ستم ایجاد جھکا

کھا گیا جنگ میں دھوکا وہ لعین و مکار
تنگ کو جھک کے لگا دیکھنے جب ظلم شعار
زین پر ٹیک کے گھٹنے ہوا اونچا جرار
یا علیؑ کہہ کے بہادر نے لگائی تلوار

غل ہوا کوہ گراں بار سرِ خاک گرا
اڑ گیا فرق تنِ ظالم سفاک گرا

واہ شاباش یہ دی دلبر حیدر نے صدا
گرد میداں میں اڑی شمر لعین بھاگ گیا
چاہا گھوڑے نے کہ پامال ہو لاشہ اسکا
توڑ کے باگ یہ قاسمؑ نے فرس سے یہ کہا

بعد مرنے کے نہیں دل کو الم دیتے ہیں
کہیں مردوں سے بھی دنیا میں عوض لیتے ہیں

کر کے تسلیم چچا کو یہ کہا اے حضرتؑ
آپ کا فیض ہے مجھ میں تھی اتنی جرأت
آپ کے آنے سے خادم نے یہ پائی عزت
آپ اب جائیں کہ اس دھوپ میں ہوگی زحمت

حکم ہے مادرِ ناشاد کا مر کے آنا
جنگ سے ابن حسنؑ خون میں بھر کے آنا

سُن کے مغموم چلے حضرتِ عباسؑ اُدھر
پھر لڑائی کا ارادہ کیا قاسمؑ نے ادھر
سامنے دشت میں تھے تیغ بکف بانیٔ شر
اب سوادِ دشمنوں کے دوست نہ آتا تھا نظر
ناگہاں بہرِ جدل لشکرِ کفار بڑھا
اس طرف جانِ حسنؑ کھینچ کے تلوار بڑھا

فوجِ جنگ میں مصروف تھا وہ شیرِ ژیاں
دفعتاً پیاس بڑھی ہونے لگی خشک زباں
مضمحل طبع ہوئی جل گئی سینہ پہ سناں
بڑھ گیا ضعف جو زخموں سے ہوا خون رواں
نیزہ و تیر و تبر بھوک میں کھاتا تھا جری
تول کے تیغ دو دم فوج پہ جاتا تھا جری

ایک بچے پہ لعیں کرنے لگے پیہم وار
تبھی ظالم کا ہوا تیرِ ستم دل کے پار
شیر کو زینِ فرس پہ ہوا تھمنا دشوار
گر گیا خاک پہ غش کھا کے حسنؑ کا دلدار
چھا گیا ضعفِ غمِ تشنہ لبی بہنے لگا
پھٹ گئے زخم بدن آہ لہو بہنے لگا

کروٹیں لے رہا تھا فرشِ زمیں پر صفدر
شیر کو تیغیں لگاتے تھے لعیں بڑھ بڑھ کر
تھا نہ اپنا کوئی نزدیک تھے سب بانیٔ شر
دست و پا سرد تھے بے بس تھا حسنؑ کا دلبر
ہچکیاں موت کی قاسمؑ کو چلی آتی تھیں
دلِ مادر کی رگیں غم سے کھنچی جاتی تھیں

روک کے دل کو یہ دی سبطِ پیمبرؐ کو صدا
اے چچا ضعف یہ ہے اب نہیں بولا جاتا
مجھ کو نیزوں سے دبائے ہیں تمام اہلِ جفا
سُن کے آواز بھتیجے کی چلے شاہِ ہدا
اکبرِ تشنہ دہن کھینچ کے تلوار چلے
ساتھ شبیرؑ کے عباسؑ علمدار چلے

مضطرب سیدِ ابرار چلے خاک بسر　　رن میں گھیرے ہوئے تھا ابن حسنؑ کو لشکر
تن مجروح پہ چلتے تھے ہزاروں خنجر　　ناگہاں شور ہوا ہلنے لگے دشت و در
شیر کی طرح ولی ابن ولی جا پہونچے
فوج بھاگی جو قریب ابن علیؑ جا پہونچے

باتوں سے قاسم ذی جاہ کی طفلی تھی عیاں　　پاس آنے بھی نہ پائے تھے شہ انس و جاں
خون سے گھوڑوں کو دوڑا کے چلی فوج گراں　　جسم ٹاپوں سے جو کچلا تو کہا اے اماں
آئی آواز حسنؑ جلد اب آؤ بھائی
ظلم اعدا سے بھتیجے کو بچاؤ بھائی

یہ صدا ماہ رز ناشاد نے جو سن پائی　　دن ہوا آنکھوں میں تاریک اداسی چھائی
درِ خیمہ پہ بصد آہ و فغاں چلائی　　بیبیو لٹ گئی میں بن میں قیامت آئی
خون سے ظالموں نے پھول سا تن لال کیا
دشتِ غربت میں مرے شیر کو پامال کیا

پہونچے گھبرا کے جو شہ قاسمِ مضطر کے قریں　　دیکھا اعضا میں تشنج ہے بہت ہوش نہیں
بیٹھ کے پاس پکارے کہ مرے ماہ جبیں　　آنکھیں کھولو کہ ہے بیتاب سوا قلبِ حزیں
ڈوبے خون جسد میں مری جاں لال ہوئے
میں تو زندہ رہا تم گھوڑوں سے پامال ہوئے

سن کے آواز کیا آنکھوں کو قاسمؑ نے وا　　عرض کی ابن حسنؑ نے نہیں بولا جاتا
جل رہی ہے جو زمیں زخموں میں ایذا ہے سوا　　عفو فرمائیے آخر ہوں میں کیا ہو جو خطا
بولے شبیرؑ یہ سمجھا تم پہ فدا ہو قاسمؑ
ہے یہ دشوار کوئی تم سے خطا ہو قاسمؑ

دیکھا قاسم نے پھر اکبرؑ کی طرف اور یہ کہا — بھائی ہمشکلِ نبی آپ کو خالق نے کیا
اب تو اٹھ سکتی نہیں نزع کی دم پھر آگیا — دارِ فانی سے چلے ہم تو سوئے ملکِ بقا
اس وصیت کو ذرا سہو نہ فرمائیے گا
قبر پر فاتحہ پڑھنے کو ضرور آئیے گا

جاتے ہی مادرِ ناشاد کو کہیئے گا سلام — اور کہیئے گا کہ قاسمؑ کا ہوا نیک انجام
تھے سرہانے شہِ مظلوم ہوا کام تمام — آپ پہونچائیے گا پھر مری جانب سے پیام
دل پہ اپنے نہ جدائی کا اثر لیجیئے گا
میری بخشش کی دعا شام و سحر کیجیئے گا

بس تہذیب کہ ہوا جاتا ہے مجلس میں طول — کیوں نہ محشر ہو بپا مومنوں کے دل ہیں ملول
آئی ہیں خلد کے گلزار سے دیکھو بتول — حال قاسم میں ہوا مرثیہ تیرا مقبول
حشر میں اجر رسولِ دوسرا سے لینا
دادِ محنت حسنِ سبز قبا سے لینا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساتواں مرثیہ

یہ مسدس معراج ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۴ ہجری مطابق ۲۳ جون سنہ ۱۹۳۵ء
کو تمام ہوا حیدرآباد میں نواب خان خانان بہادر کی دیوڑھی پر نواب بہرام الدولہ بہادر
مرحوم کی بنا کردہ مجلس میں سوا تین گھنٹہ پڑھا گیا اس مجلس میں مہاراجہ سر کشن پرشاد
بہادر صدر اعظم دکن بھی شریک تھے۔

مطلع

جہاں میں عاشق صادق ملال سہتے ہیں

بند

جہاں میں عاشق صادق ملال سہتے ہیں
خیال دوست میں ذرات اشک بہتے ہیں
حیا پسند ہیں جتنے خموش رہتے ہیں
اسی سے نقش وفا ان کو لوگ کہتے ہیں
ہے فکر غنچۂ دل بعد مرگ کھل جائے
جو کوئے یار میں دو گز زمین مل جائے

کسی کو فکر کہ آہیں نہ بے اثر جائیں
کمال عشق کی دنیا میں نام کر جائیں
کسی کی دل سے یہ باتیں کہ جلد مر جائیں
جہاں میں چھوڑ کے نقش وفا گذر جائیں
امید و یاس کا عالم ستم اٹھائے ہوئے
دل و جگر پہ محبت کا تیر کھائے ہوئے

کسی کو الفتِ محبوب میں ملا یہ ثمر — گلے لگا لیا دل کو خوشی ہوئی دم بھر
فراقِ دوست ہوا جب تو بن گئی دم پر — سہا ملال زباں زور رہا یہ آٹھ پہر
ہرا ہوا اب دل پژمردہ اعتبار نہیں
جلے جو بجھ کے چراغ سرِ مزار نہیں

تغیر ہجر میں حالت جگر میں غم کا تیر — وصالِ دوست کی جب بن پڑی نہ کچھ تدبیر
بنا لی دست تصور سے یار کی تصویر — بہا کے اشک عجب درد سے یہ کی تقریر
یہ کیا ہوا کہ جدا ہو گئے گلے مل کے
ابھی تو زخم بھی بھرنے نہ پائے تھے دل کے

وہاں جو مہوشوں کو پاس نخرہ داری ہے — تو عاشقوں کو یہاں جان غم سے بھاری ہے
وہاں شباب کی جو فصل پر بہاری ہے — یہاں جو زخم ہے دل کا وہ آبشاری ہے
وہاں ہے گرمیِ حسن آفتاب جلتا ہے
یہاں یہ سوزِ جگر ہے دھواں نکلتا ہے

کسی غریب پہ فرقت کی رات بھاری ہے — کسی کو وصل کی حسرت میں بیقراری ہے
کسی کو آٹھ پہر شغل آہ و زاری ہے — کسی نے کروٹیں لے لے کے شب گذاری ہے
کسی کی ہے یہ بیاں لو لگائے بیٹھے ہیں
جگر کے داغوں کی شمعیں جلائے بیٹھے ہیں

وہاں حسینوں نے پہنے نئے نئے زیور — یہاں پہ جلے دل عاشق پہ سیکڑوں خنجر
وہاں ہو شام سحر ان کو مشق تیر نظر — یہاں نشانہ بنا کے ہوئے ہیں قلب و جگر
عیاں ریاضتیں ہو جائیں زندگی بھر کی
جو سامنا ہو تو چوٹیں چلیں برابر کی

کہیں ہو بلبل شیدا قفس میں فریادی
بیان طائر دل ہو رہی نہ آزادی
گئی بہار ہوئی حسرتوں کی بربادی
کہاں چمن میں وہ گل اب کہاں وہ آبادی
چمن کی سمت برابر نگاہ پڑتی ہے
سنا ہے جب سے نشیمن میں خاک اڑتی ہے

بڑھی ہوئی تھی مرے عشق گل کی سرشاری
چمن میں ہوتی تھی دیدار و دید کی گلکاری
میں کر رہی تھی نشیمن کی اپنے تیاری
شروع موسم گل میں ہوئی گرفتاری
محبت گل تر میں اسیر دام ہوئی
چمن میں صبح ہوئی اور قفس میں شام ہوئی

یہ شوق تھا کہ چمن کی بہار دیکھیں گے
بڑی امید تھی ہم لالہ زار دیکھیں گے
حسین پہن کے گلے میں جو ہار دیکھیں گے
تو ہم بھی اپنا دل داغدار دیکھیں گے
اگر وہ عطر گل تر لگا کے آئیں گے
ہزار پھول کا ہم آشیاں بنائیں گے

چمن میں پھول قفس میں ہزار باقی ہے
وہ دل نہیں ہے مگر انتظار باقی ہے
کمال حسرت دیدار یار باقی ہے
ہزار شکر کہ فصل بہار باقی ہے
ہوا چمن کی قفس سے جو لگ کے چلتی ہے
جلی ہوئی مری شاخ مراد پھلتی ہے

ہمیشہ کرتا تھا توقیر باغباں میری
ہر ایک دل پہ گراں تھیں خموشیاں میری
گلوں کے سامنے کھلتی تھی جب زباں میری
ہزار شوق سے سنتے تھے داستاں میری
قریب شام مرے دل کے داغ جلتے تھے
کہ صحن باغ میں لاکھوں چراغ جلتے تھے

جو زلف سنبل پیچاں تھی لوٹ کھائی ہوئی   گھٹا سیاہ تھی ہر سو چمن میں چھائی ہوئی
وہ کثرت گل تر وہ بہار آئی ہوئی   تھی سرزمین گلستاں بھی رنگ لائی ہوئی
کبھی قفس نہ کبھی دل میں داغ دیکھا تھا
جہاں میں آنکھ جو کھولی تو باغ دیکھا تھا

جگر میں درد ہو تو اُف بھی کیا ذرا نہ کروں   غم و ملال ہوں پر شکوہ جفا نہ کروں
جب آئے موسم گل گریہ و بکا نہ کروں   میں قید ہو گئے بھی صیاد کا گلا نہ کروں
پھڑک کے رہ گئی مجھ پر وہ ظلم کر ڈالے
چمن میں آئیں تھیں کلیاں کہ پر کتر ڈالے

امید ہے کہ ہمیں پھول پھر بلائیں گے   قفس سے چھوٹ کے خوش خوش چمن میں جائینگے
مصیبتیں جو اٹھائیں وہ کہہ سنائیں گے   ہم اُن کو اور وہ ہم کو گلے لگائیں گے
بڑھے گی شرم نہ لب تک جواب آئیگا
بہت دنوں سے ہے فرقت حجاب آئیگا

مہذب اُن کو جہاں میں عجب مصیبت ہے   کسی حسین کا اگر عشق ہے محبت ہے
کمال وصل کی دن رات دل کو حسرت ہے   مگر یہ فکر کہ معشوق بیمروت ہے
کبھی وصال کی صورت نظر نہ آئے گی
تڑپ کے ہجر میں افسوس جان جائے گی

جہاں میں ایسے بھی گذرے ہیں عاشق دلدار   ہمیشہ یاد الٰہی میں کی جنہوں نے بسر
بنے حبیب خدا پہونچے عرش اعظم پر   محمد عربی دو جہاں کے پیغمبر
جو ذکر خالق اکبر میں ختم راتیں کیں
تو حق نے عرش پہ بلوا کے پاس باتیں کیں

کچھ ایسا طاعتِ حق میں بڑھا مآلِ الفت کو — پسند کر لیا معبود نے عبادت کو
خوشی جو وصل کی تھی نا خوشی شریعت کو — تو رب نے خود بھی گوارا کیا نہ فرقت کو
خدا کا حکم لیے جبرئیل آ پہونچے
فلک سے قریبِ رسولِ جلیل آ پہونچے

یہ عرض کی کہ چلیں جلد بادشاہِ عرب — کیا ہے خالقِ کون و مکاں نے آج طلب
اُٹھے حجاب سرِ عرش ہے یہی مطلب — حضور خوش ہوں ہو شکل سیرِ عیش و طرب
سوا جناب کے کس نے شرف یہ پایا ہے
جناں سے آپ کی خاطر براق آیا ہے

کہا ہے حق نے یہ بعدِ سلام اور استمزاج — تمام خلق کا تم کو بنا دیا سرتاج
یہ خاص رتبۂ اعلیٰ تمہیں ملا ہے آج — تمہارے واسطے یہ راستہ ہے شبِ معراج
کبھی نہ بات کو ٹالا ہے اور نہ ٹالیں گے
تم آؤ شوق سے پردہ بھی ہم اٹھا دیں گے

یہ سن کے ہو گئے مسرور بادشاہِ حجاز — کیا حبیبِ خدا کو خدا نے سرافراز
تھی کمسنی سے جو حضرت کو شوقِ راز و نیاز — برائے قربتِ حق آپ نے ادا کی نماز
حضور زینتِ مرکب جو ایک بار ہوئے
ملائکہ میں ہوا غل نبی سوار ہوئے

یہ وجہ ہے جو پیمبر کو بیقراری ہے — جہاں میں جاتا ہوں ان پاس جو دہ رہی ہے
کمالِ لطف و کرم سے صدائے باری ہے — خوشی تمہاری ہے جو کچھ وہی ہماری ہے
حبیب لطف و عنایت سے کام ہم لیں گے
ہیں جتنی پردہ کی باتیں سب آج کہہ دیں گے

خوشی تھی وصل کی تھے شاد بادشاہ امم ۔ بڑھا جو دل تو اٹھائے براق نے بھی قدم
صدا یہ دینے لگے بڑھ کے رعب و جاہ و حشم ۔ کرینگے آج نبی شب میں سیر لوح و قلم
ہے وہ جگہ نہ وہاں جبرئیل جائینگے
فقط رسول خدائے جلیل جائینگے

رواں سواری شاہ عرب بکر و فر ۔ رکاب تھامے ہوئے جبرئیل کھولے پر
بلند کرتی تھی مرکب کو شان پیغمبر ۔ قدم کو چوم رہی تھی ملائکہ کی نظر
سموں کی ضو سے ہر اک نجم جھلملاتا تھا
مثال برق فلک پر براق جاتا تھا

وہ مثل برق چمکنا براق کا ہر جا ۔ وہ دیکھنا طرف اوج ہر زمانے کا
زمیں سے اٹھ کے نری رو کہیں ذرا نہ تھما ۔ مثال تخت سلیماں وہ آیا اور وہ گیا
ابھی وہاں تھا ابھی اس طرف کو آ پہونچا
پلک جھپکتے ہی جو تھے فلک پہ جا پہونچا

کہاں براق کی سرعت سحاب رکھتا ہے ۔ یہ وہ حسین ہے جو حسن انتخاب رکھتا ہے
گہر ہیں دانت دہن لاجواب رکھتا ہے ۔ قدم اٹھا کے سر آفتاب رکھتا ہے
بلند مرتبہ راہ جناں کا سالک ہے
سوار پشت پہ دونوں جہاں کا مالک ہے

براق جاتا تھا مثل ہوا سوئے جنت ۔ نبی کے قلب کو وصل خدا کی تھی حسرت
تھی سر پہ سایہ فگن ذوالجلال کی رحمت ۔ یہ اہل خلد سے بڑھ بڑھ کے کہتی تھی حشمت
ہے جن کا سارے زمانے میں نور آتے ہیں
صفیں جماؤ ادب سے حضور آتے ہیں

صلائے ہاتف غیب آئی ساکنان جناں — برائے سیر آب آنیکو ہیں رسول زماں
ہوا ہے سب کو یہ حکم خدائے ہر دو جہاں — ہوں آج عیش و طرب کے نئے نئے ساماں
دل حبیب سے گرد ملال دھو جائے
ہماری آج خوشی ہے وصال ہو جائے

بغور دیکھ لیں سب صنعت ید قدرت — نبیؐ ہیں اول خلقت ہے نور کی صورت
اس آئینہ میں نمایاں ہے جلوۂ وحدت — قدم قدم پہ ہویدا ہے شوکت و حشمت
ہے جنکو فخر دو عالم کی تاجداری پر
وہ آج آتے ہیں فردوس کی سواری پر

یہ سن کے عشق بڑھا حوریوں کو گئیں بیکل — بچھا کے راستے میں فرش سندس و مخمل
کسی نے زیب گلو کی زمردیں ہیکل — کسی نے نرگسی آنکھوں میں دے لیا کاجل
جناں کے پھولوں کا زیور کسی نے پہنا ہے
کسی کے پھول سے تن میں جڑاؤ گہنا ہے

خدا کے دوست سر بزم آج بیٹھے ہیں — ہے جن سے دین نبیؐ کا رواج بیٹھے ہیں
پہن کے عشق و محبت کا تاج بیٹھے ہیں — تمام بزم میں عاشق مزاج بیٹھے ہیں
خیال نظم خیال حبیب ساتھ رہے
ثنا میں حوروں کی کرتا ہوں دل پہ ہاتھ رہے

رسول آتے ہیں سر سو جناں میں ہے یہ پکار — ہر آنکھ نرگس شہلا کی طالب دیدار
لیئے ہیں اہل جناں کشتیوں میں پھولوں کے ہار — نبیؐ کی یاد میں بڑھتے ہیں دمبدم اشجار
کبھی اِدھر کبھی اُس سمت بڑھ گئیں حوریں
رہی نہ تاب تو کوٹھوں چڑھ گئیں حوریں

ریاض خلد میں ہر چار سو بہوں کی نظر — ہے ایک ہاتھ کلیجے پہ ایک ہے دل پر
ٹہل رہی ہیں سب ہر نام مضطرب ہے جگر — سنبھالتی ہیں سنبھلتا نہیں دل مضطر
نبی کے عشق میں حوروں کو بیقراری ہے
نگاہیں دوڑ رہی ہیں کدھر سواری ہے

کبھی تڑپ کے ادھر سے اُدھر کو جاتی ہیں — کبھی پلٹ کے پھر اپنی جگہ پہ آتی ہیں
جو گل کے آئینہ میں اپنا حسن پاتی ہیں — اشارے کرتی ہیں آپس میں مسکراتی ہیں
فروتنی سے بھلا کام کیا حسینوں کو
غرور حسن میں اُلٹے ہیں آستینوں کو

کلائیاں وہ بلوریں بھرے بھرے بازو — حسین آنکھوں پہ کھنچیں وہ خوشنما ابرو
بڑھے ہوئے شب ہجر اُن سے طول میں گیسو — ریاض خلد میں دیتے ہیں مشک کی خوشبو
انھیں کے حلقوں نے دونوں جہاں کو گھیرا ہے
انھیں کے سائے سے ظلمات میں اندھیرا ہے

وہ بھولی صورتیں جن کا نہیں جہاں میں جواب — بتا رہی ہیں یہ آنکھیں پئے ہوئے ہیں شراب
وہ مست چال قیامت کا حسن عالم آب — دراز گیسوئے عنبر فشاں وہ زور شباب
وہ انتظار کا عالم پرے جمائے ہوئے
کھڑی ہیں دل پہ محبت کا تیر کھائے ہوئے

یہ باتیں کرتی ہیں ہر سو نہ اب ذرا دیکھو — مراد حسب ہے بر آئے وہ راستا دیکھو
پروں کی آتی ہے جبرئیل کے ہوا دیکھو — جناں کا آج ہے عالم ہی دوسرا دیکھو
خوشی میں بڑھتی ہیں بلبلیں یہ بیقراری ہے
قریب گلشن فردوس کے سواری ہے

خوشا نصیب کہ پوری ہوئی ہماری مراد ہوا ہے جن کے لئے خلق عالم ایجاد
وہ آج آتے ہیں رہتی تھی جنکی ہم کو یاد صدا پکار کے رضواں نے دی مبارکباد
دل اہل گلشن جنت کے شاد کام ہوئے
شب آئی وصل کی فرقت کے دن تمام ہوئے

یہ ایک دوسرے سے کہتی ہے سنو تو ذرا خوشی ہے وہ کہ ہے عالم عجیب سے دل کا
طیور چپ ہیں جناں میں ہے ایک سناٹا سُم براق کی کانوں میں آرہی ہے صدا
وہ نور ہے کہ پلک مردم جھپکتی ہے
براق آگیا وہ برق سی چمکتی ہے

سواری آگئی نزدیک اب نہ دیر لگاؤ لے جلد مسند زریں پئے رسول بچھاؤ
روش روش پہ ہو پیہم گلاب کا چھڑکاؤ خدا کے واسطے پھولوں کے ہار جلدی لاؤ
کمال حسن و محبت میں ساز ہو جائے
جناں میں صحبت راز و نیاز ہو جائے

یہ کہہ کے بڑھیں اُدھر حوریں جو دوڑ کر یکسر بہار سمت نظر ڈالنے لگیں تھم کر
چلیں جو پھر تو ہوا شور باغ کے اندر یہ کون ہیں جو جگاتے ہیں فتنۂ محشر
دلوں کو ملتے ہیں اس شان سے ٹہلتے ہیں
میان خلد قیامت کی چال چلتے ہیں

کہا یہ حوروں نے اپنا نہیں جہاں میں نظیر ہماری خود یہ قدرت نے کھینچی ہے تصویر
ہمارے عشق میں اہل جہاں ہیں سب دلگیر دل ہلال پہ ابرو کی چل گئی شمشیر
ہماری شکل مہ چار دہ سے پیاری ہے
جناں میں چار طرف روشنی ہماری ہے

ہمارے گوہرِ عصمت کو کوئی کیا آنکے　　　ہماری چاہ میں زہاد نے کنوئیں جھانکے
کرشمے ہیں یہ ہماری ہی زلف پیچاں کے　　　کیئے ہیں قید ازل سے دل اہل ایماں کے

وفورِ عشق میں جس وقت نام لیتے ہیں
تو دل کے ساتھ کلیجہ بھی تھام لیتے ہیں

جناں میں دھوم ہے گردوں رکاب آتے ہیں　　　ہیں انتظار میں حوریں جناب آتے ہیں
دلوں کا کہنا ہے اضطراب آتے ہیں　　　ادب دب کہ رسالت مآب آتے ہیں

سُمِ براق کی آواز دل ہلاتی ہے
ارے صدائے پرِ جبرئیل آتی ہے

گئیں یہ کہتے ہی قصروں میں حوریں سب بکبیر　　　صبا حضورؐ کے آنے کی دے رہی ہے خبر
خدا کے واسطے پہنو لباس نو پُر زر　　　خوشی ہے عید سے بڑھکے ہر اک ہو زیور

دعا کرو کہ یہی موسم بہار رہے
نبیؐ کی دید سے دل کو سدا قرار رہے

بدل کے حوروں نے حلّے پہن لیئے زیور　　　نکل کے غرفوں سے باہر کھڑی ہوئیں یکسر
دلوں میں حسرتِ دیدار پیغمبرؐ　　　سواری آنے کی پائی تھی جس طرف سے خبر

دل و جگر پہ جدائی کا تیر کھائے ہوئے
اُدھر کو دیکھتی تھیں سب نظر جمائے ہوئے

بہت زمانے سے حوروں کو تھا ملالِ فراق　　　ہوا تھا ہجرِ رسولؐ خدا دلوں کو شاق
یکایک ان کی اُٹھائے جو دیدۂ مشتاق　　　سواری آئی نظر بولیں آ رہا ہے بُراق

جلو میں اُڑتے ہوئے جبرئیل آتے ہیں
وہ نور ہے وہ رسول جلیل آتے ہیں

تھا اک زمانے سے حوروں کو انتظار بڑھیں — دلوں میں شوقِ زیارت تھا بیقرار بڑھیں
ریاضِ خلد میں مانندِ آبشار بڑھیں — کبھی حیا سے تھمیں گاہ شرمسار بڑھیں
رکیں تو حد پہ پہونچے ہوئے لہو کی طرح
بڑھیں تو آلِ محمدؐ کی آبرو کی طرح

خوشی میں دید کی حوریں کھڑی ہوئیں یکسر — مسرت ایسی ہوئی تھم گیا دلِ مضطر
جو پہونچے خلد میں محبوبِ داورِ محشر — پکاریں ملکے یہ حوریں وہ آئے پیغمبرؐ
عناں یہ ہاتھ رسالتمآبؐ ڈالے ہیں
رکاب حاملِ وحیِ خدا سنبھالے ہیں

کہاں تھی پاسِ ادب سے کلام کی طاقت — مگر یہ حوروں کو دی زورِ عشق نے ہمت
جھکا کے سر یہ کہا ناز سے کہ اے حضرتؐ — نہال دل ہو کریں سیرِ گلشنِ جنت
نبیؐ کو یادِ خدا میں تھا اشتیاق روک لیا
گریں قدم پہ جو حوریں براق روک لیا

پکاریں دید سے مشتاق ہیں دل بیتاب — دکھائیے ہمیں صورت اٹھائیے تو حجاب
کہا جو حوروں نے منت سے ہنس دیے وہ جناب — ہٹائی حسن نے بڑھ کر رخِ نبیؐ سے نقاب
حضورؐ نے نظرِ لطف سے جو کام لیا
وہ نور حوروں نے دیکھا کہ دل کو تھام لیا

پڑی جو چہرۂ پرنورِ مصطفےٰؐ پہ نظر — نہ لائیں تابِ نظارہ ہوا غشی کا اثر
کہا سبھوں نے یہ پیہم زمیں پہ گر گر کر — تمہارے حسن نے دل پر چلا دیا خنجر
کہا تھا تیغِ ادا سے نیام ہو جائے
نہ یہ کہا تھا کہ یوں قتلِ عام ہو جائے

یہ جوش عشق تھا سینے بنے تھے میخانے — مے ولا سے چھلکتے تھے دل کے پیمانے
جناں میں حوروں کو بھی لگے جو غش آنے — تو جبرئیل نے بڑھ کے ہلا دیے شانے
جنھیں محبت کامل ہو کیوں زباں بہکے
سب اٹھ کھڑی ہوئیں یکبار یا علیؑ کہہ کے

رسولؐ سیر میں مصروف ہر طرف نگراں — کیے تھے حق نے مہیا سرور کے ساماں
جلو میں حاملِ وحیِ خدائے ہر دو جہاں — نظر جھکائے پسِ پشت با ادب غلماں
رواں تھا خلد میں رضواں شرف یہ پائے ہوئے
سرِ رسولؐ پہ چتر زری لگائے ہوئے

تمام اہلِ جناں باغ باغ دل مسرور — چمن تھا نورِ رسالت مآبؐ سے معمور
نبیؐ کے جسم کی خوشبو پہنچتی تھی تا دور — پکارتی تھی جلالت یہ ہیں شہِ جمہور
نبیؐ سا کون خدا کے مرتبہ دیار میں ہے
وہ عبد ہے کہ خدائی سب اختیار میں ہے

ہوئی جو سیر جناں سے رسولؐ کو فرصت — رواں ہوں عرش کی جانب بول اٹھی ہمت
امین وحی نے کی بڑھ کے عرض اے حضرتؐ — گذر کروں میں یہاں سے نہیں ہے یہ جرأت
جناں سے ایک قدم بھی بڑھا نہیں سکتا
حضورؐ عرش پہ جائیں میں جا نہیں سکتا

ہوئیں تمام حدیں سیرِ خلد کی ساری — قریب وصالِ خدا کی حضورؐ تیاری
بس آؤ عرش پہ یہ حکم ہو چکا جاری — ہے انتظار میں حضرتؐ کے ایزدِ باری
نہ دیر عرش پہ جانے میں آپؐ فرمائیں
جناں سے صورتِ ابرِ کرم گذر جائیں

امین وحی سے محبوب رب ہوئے رخصت　　بڑھائی رحمت پروردگار نے ہمت
براق چھوڑ دیا عرش پر چلے حضرت　　تڑپ کے رہ گئے جتنے تھے ساکنِ جنت
یہ غل تھا مرتبۂ قرب دم میں پاتے ہیں
خدا کے پاس خدا کے رسول جاتے ہیں

سفر تھا دور کا ہر بار بیٹھتا تھا دل　　رواں تھا جانبِ معشوق عاشقِ کامل
تلاشِ دوست میں پر تھی نظر سوئے منزل　　تھی ساتھ مرضیِ رب اختیار تھا حاصل
نہ جائے دل کی طرح کیوں وہ شادماں ہو کر
جسے بلاتا ہو محبوب مہرباں ہو کر

گئے رسول سب اہلِ جناں ہوئے مضطر　　نظر سے ہو گئے اوجھل جو خاصۂ داور
تو حوریں پھرنے لگیں مضطرب ادھر سے ادھر　　برائے دید گئیں دوڑ کے بلندی پر
پکاریں تھام کے قلب و جگر غش آتے ہیں
وہ دیکھو عرشِ بریں پر رسول جاتے ہیں

مثالِ موسیٰ عمراں نہیں ہمیں اب ہوش　　غش آ رہا ہے تڑپتا ہے یوں دل پر جوش
دکھا کے چہرۂ پرنور ہو گئے روپوش　　پکارے بڑھ کے یہ جبریل سب ہوں خاموش
رسول رشتۂ الفت کو سب سے توڑ گئے
وصالِ رب کی خوشی میں براق چھوڑ گئے

وہاں یہ آتی ہے آوازِ رحمتِ داور　　ہمارے وصل کا سہرا رہا تمہارے سر
بڑھو بڑھو کہ بلایا ہے ہم نے کیا تمہیں ڈر　　خدا ئے پاک کے محبوب تم ہو پیغمبر
تمہارے عشق کا دم اہلِ عرش بھرتے ہیں
قریب آؤ کہ ہم انتظار کرتے ہیں

تمہارا پاسِ ادب ہے ازل سے ہم کو پسند — تمہارے زہد نے معبود کو کیا خورسند
تم آگے کیوں نہیں بڑھتے رسولِ دانشمند — امورِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
مُقرّبِ صمدی ہو شرف بڑھاتے ہیں
کہ آؤ اور قریب آؤ ہم بلاتے ہیں

اُدھر بلاتی ہے پیہم صدائے ربِّ قدیر — اِدھر سکوت کے عالم میں ہیں رسولِ کبیر
ہزار آئی مقابل ہیں خوف کی تصویر — نہ شوقِ وصلِ خدا میں نبی نے کی تاخیر
تھے اذنِ خالقِ غفّار سے جو پائے ہوئے
چلے کمالِ خوشی میں قدم اُٹھائے ہوئے

پہونچ کے عرش پہ بس تھم گئے قریبِ حجاب — جلالِ خالقِ کونین کا گھرا تھا سحاب
وہ شان آئی نظر جس سے دل ہوا بیتاب — کمالِ خوفِ الٰہی سے مضطرب تھے جناب
سنبھالتے تھے نبیؐ لاکھ کب سنبھلتا تھا
دلِ حبیبِ خدا کروٹیں بدلتا تھا

خدا نے کی شبِ معراج عزت افزائی — فلک پہ رحمتِ پروردگار لے آئی
مگر تھی عرشِ بریں پر کچھ ایسی تنہائی — تلاش کرنے لگا اپنے بھائی کو بھائی
تھی یاد دل سے نبیؐ کو وزیر کی صورت
نگاہ میں تھی جنابِ امیرؑ کی صورت

رسول عرش پہ خاموش ہیں جھکائے سر — یہ چار سمت سے گھیرے ہے رحمتِ داور
وصالِ رب کی خوشی بیقرار قلب و جگر — صدائے رحمتِ حق ہے کہ دور ہو نہ پیغمبر
کہاں ادب سے زباں پر جواب آتا ہے
شبِ وصالِ خدا ہے حجاب آتا ہے

کماں خوش ہوئے بر دل کا مدعا آیا — حبیبِ حق کو نظر نورِ کبریا آیا
نکل کے پردے سے کب سامنے خدا آیا — پر ایک ہاتھ سرِ دوشِ مصطفےٰ آیا
نبیؐ کے دوشِ مبارک پہ تھا ولی کا ہاتھ
بتا رہا تھا یہ پنجہ کہ ہے علیؑ کا ہاتھ

وزیر و شاہ کا ہو ساتھ ہی جہاں میں رواج — سُنا رسولؐ ہماری خوشی یہی ہے آج
بنائیں دونوں کو دونوں جہاں کا تاج — تمھارے ساتھ علیؑ کو بھی ہم نے دی معراج
جو زیبِ دوشِ نبیؐ کیوں کسقدر رہے پیارا ہاتھ
علیؑ کا ہاتھ تو در پردہ ہے ہمارا ہاتھ

کماں عرش پہ ہے شاد قلبِ پیغمبرؐ — ہوئی ہے خاطرِ محبوبِ رب کو مدِ نظر
خدا حجاب اُٹھاتا ہے عرشِ اعظم پر — اُلٹ نقاب کو چہرے سے ساقیِ کوثر
یہاں ہو بادہ کشی جام ہاتھ میں آئے
وہاں خدا و نبیؐ میں حجاب اُٹھ جائے

نہیں ہے شوق کی اس وقت انتہا ساقی — تو اپنی چاند سی صورت بس اب دکھا ساقی
شراب دستِ کرم سے مجھے پلا ساقی — پئے حبیبِ خدا جلد کر عطا ساقی
مثالِ جد و پدر صرفِ مدح خوانی ہوں
پلادے جام مے عشق خاندانی ہوں

ہے ایک ہاتھ سرِ دوشِ ہادیِ اسلام — کر ایک ہاتھ سے میخوار کو عنایت جام
نبیؐ کے دل کو ہے تسکین میں ہوں بے آرام — نہ کہنا ساقیِ کوثر نکالا کام میں کام
زباں پہ وقت مہم تیرا نام آتا ہے
کہ عرش و فرش میں بس تو ہی کام آتا ہے

تو عرشیوں کو بھی مے شوق سے پلاتا جا　　اندھیری راتمیں رخ چاند سا دکھاتا جا
کرم سے اپنے سر فرش بھی لنڈھاتا جا　　ہم آج پیتے ہیں کتنی یہ آزماتا جا
یہ ساقیا غم مے ہم اُٹھائے بیٹھے ہیں
نظر فلک پہ ہے چلو لگائے بیٹھے ہیں

یہ بادہ خوار ترا انتخاب ہے ساقی　　ولا کی ساغر دل میں شراب ہے ساقی
چمن میں داغ جگر آفتاب ہے ساقی　　اُمنگ کہتی ہے زور شباب ہے ساقی
کشش کو دل کی سر دست آزماؤں گا
کہ آج میں لب کوثر سے منہ لگاؤں گا

میں کب سے مانگتا ہوں کہ شراب نور عطا　　وصال طالب و مطلوب کی ہو شب بخدا
یہ کہہ رہا تھا میں ساقی کہ جلد مجھ کو پلا　　وہ دیکھ عرش معظم کا اُٹھ گیا پردا
وہ قصہ غم فرقت دراز ہونے لگا
وہ حسن و عشق میں راز و نیاز ہونے لگا

صدائے رحمت حق ہو کہ اے رسول کبیر　　کمال تم سے رضامند ہے خدائے قدیر
یہ بزم عیش ہے ہوتے ہو کس لئے دلگیر　　نظر اُٹھاؤ وہ دیکھو علیؑ کی ہے تصویر
ہر ایک آئینہ قلب میں یہ صورت ہے
ہمارے عرش کی اس مہ جبیں سے زینت ہے

ذقن ہے فرد دہن کا نہیں جہاں میں نظیر　　جواب خط نہیں کہتی ہے صورت تحریر
بتا رہی ہے یہی صنعت خدائے قدیر　　ہے بولنے کو جناب امیرؑ کی تصویر
بلا کے خاطر خیر الانام کرتا ہے
علیؑ کے لہجہ میں خالق کلام کرتا ہے

علیؑ و احمدؐ مرسل پہ کبریا کو ہے ناز   یہ دونوں اول خلقت ہیں دو مجسم ممتاز
ہے عرش پر شب معراج بزم راز و نیاز   خدا کی بات جناب امیرؑ کی آواز
دل حبیب پریشاں ہو کب گوارا ہے
علیؑ کی سامنے تصویر جلوہ آرا ہے

ہوئی تمام جو راز و نیاز کی صحبت   تو لائے عرش سے تشریف فرش پر حضرت
حبیب ربؐ کے قدم کی یہ خاص تھی برکت   زمین بن گئی مکے کی غیرت جنت
ہر اک وصال خدا سے دل ملول ہوا
ہر ایک داغ جگر مصطفےٰؐ کا پھول ہوا

ہے عرض منصفوں سے دیں جواب مجھ کو اب   روا ہے نجدیوں کو ظلم و جور خلق میں کب
خود اپنے پاس فلک پر جسے بلائے رب   اُسی کی بیٹی کی تربت مٹائی ہائے غضب
دکھائے زیر زمیں دل نبیؐ کے پیاروں کے
نشاں تک نہیں رہنے دیے مزاروں کے

صلہ یہ دیتی ہیں قبریں دم مصیبت ہو   ہمیں مٹا دیا کفار نے قیامت ہو
کئی برس ہوئے ظلم و ستم کی شدت تھی   جو ہم میں چین سے سوتے تھے انکو زحمت ہو
ہوئے جو قید وہ سجادِ نیک نام بھی ہیں
ہیں ایک فاطمہ زہراؑ کئی امام بھی ہیں

یہ روح فاطمہ زہراؑ کی دمبدم ہے صدا   بقیع کھد گئی اب قبر کا نشاں نہ رہا
بن سعود ستاتا ہے رات دن کیسا   ستم تو یہ ہے کہ کوئی خبر نہیں لیتا
نہ جابروں سے کبھی ہم امان پاتے ہیں
وہ وقت ہے کہ لحد میں ستائے جاتے ہیں

ہے ایک لال مرا جو خدا کا شیدا ہے ہے میرا لخت جگر میرے دل کا ٹکڑا ہے
حسن ہے نام بڑی محنتوں سے پالا ہے سحر کو اُس کی بھی جلادوں نے مٹایا ہے
حسین ذبح ہوئے چرخ کی ستائی ہوں
میں روتی مار یہ سے تا مدینہ آئی ہوں

زمانے بھر میں ہے مشہور حسن کا عابد نام خدا کی سمت سے جو تھا ہی کل جہاں کا امام
ملے نہ زیست میں بھی جسکو راحت و آرام جو کربلا سے گیا قید سخت میں تا شام
میں کیوں نہ روؤں کہ نور نظر جو میرا ہے
اُسی کی قبر پہ خاک اُڑتی ہے اندھیرا ہے

مرے قریب ہیں مدفون باقر و جعفر ہے ایک لخت جگر میرا ایک نور نظر
وہ نجدیوں نے کیے ظلم و جور سر تا سر مرے جگر پہ مرے دل پہ چل گیا خنجر
اڑا دو خاک مسلمانوں مٹ گئیں قبریں
رہا نشان بقیع اب نہ اب ہیں قبریں

خدا نصیب کرے تم کو حج بیت حرام ہیں اور کچھ نہیں کہتی فقط ہو اتنا کام
بقیع میں جو ہیں مدفون سبکے نام بنام ثواب جان کے پڑھ دینا کچھ خدا کا کلام
ستم اٹھانے کی نہیں زندگی سے عادی ہوں
مدد کا وقت ہے لوگو رسول زادی ہوں

رسول پاک یہی آرزو ہے میری آج رہوں نہ علم و ہنر میں میں غیر کا محتاج
کیا ہے آپ کو خالق نے دین کا سرتاج دکھایئے مجھے میرے کمال کی معراج
نگاہ لطف شہ خاص و عام ہو جائے
مثال عشق مہذب کا نام ہو جائے

صدر انجمن محافظ اردو حضرت مہذب لکھنوی کے

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی حسب ذیل کڑیاں

١- **گلزار رشید** حضرت رشید کے چھ منتخب مراثی غیر مطبوعہ — قیمت دو روپیہ

٢- **شعار دبیر** حضرت دبیر کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سات مرثیے — " دو روپیہ

٣- **معیار کامل** حضرت مولوی علی میاں کامل کے غیر مطبوعہ مرثیے — " دو روپیہ

٤- **بازار سخن** جاوید، جدید، دانش، مولوی برکت اللہ رضا، عشق، مولانا سید سبط حسن صاحب فاضل، بنے صاحب مشتاق کے غزلیات کا مجموعہ — " دو روپیہ

٥- **بہار مؤدب** حضرت مؤدب رحمہ اللہ کے چھ مرثیے — " دو روپیہ

٦- **اذکار محن** سلطان عالم واجد علی شاہ اختر، حمید، حسین، خورشید، نصرت، اسرار، عارف سب کے منتخب مراثی غیر مطبوعہ کا مجموعہ — " دو روپیہ

٧- **آثار عشق** حضرت عشق کے سات مطبوعہ و غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ۔ — " دو روپیہ

٨- **نگار نفیس** حضرت نفیس کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مراثی کا مجموعہ — " دو روپیہ

٩- **مراثی میر** میر تقی میر کے ١٢ مرثیوں کا مجموعہ ...... مجلد — " تین روپیہ

١٠- **اسرار محن** ادب، انس، جاوید، حسین، ذکی، قدیم، ماہر کے منتخب مراثی کا مجموعہ — " دو روپیہ

١١- **گلستان رشید** یعنی دیوان رشید لکھنوی ...... مجلد — " دو روپیہ آٹھ آنہ مجلد

١٢- **آئینہ نظم آزاد** عالیجناب چودھری سید حسن کاظم صاحب رئیس کسوارہ کی آزاد شاعری کے خلاف لاجواب تصنیف — " ایک روپیہ

١٣- **افکار تعشق** جلد دوم حضرت تعشق کے غیر مطبوعہ مراثی کی جلد — " دو روپیہ

۱۴- **دیوان مصحفی** استاد مصحفی لکھنوی کے غزلیات کا مجموعہ مجلد — قیمت دو روپیہ

۱۵- **مختار وحید** حضرت وحید کے غیر مطبوعہ مراثی کی جلد — " دو روپیہ

۱۶- **وقار انیس** جلد دوم حضرت انیس کا ایک غیر مطبوعہ باقی پانچ مطبوعہ مرثیے۔ — " دو روپیہ

۱۷- **مرثیہ نفیس** صفحات (۱۶۰) ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد مع کور حضرت نفیس کے

اصلاح انیس مرثیہ پر حضرت انیس کی اصلاح اور حضرت مہذب کے فٹ نوٹ کہ کیوں اصلاح دی۔ لاجواب کتاب — " دو روپیہ

۱۸- **دورِ شاعری** حصہ دوم صفحات (۲۰۸) ۲۰×۳۰/۱۶ مجلد۔ خوشنما کور نادلانہ رنگ میں دلچسپ معلومات کا ذخیرہ حضرت مہذب کی قابل دید تصنیف — " دو روپیہ آٹھ آنہ

۱۹- **دورِ تعشق** اس کتاب میں ناخدائے سخن حضرت تعشق مرحوم کا مختصر دیوان، چند غیر مطبوعہ غزلیات وقصائد و رباعیات اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ درحال حضرت سید الشہدا شامل ہیں اسکے علاوہ اردو کا ایک مختصر لغت، مرحوم کا بلاک اور انکے سوانح حیات بھی شامل ہیں جناب مہذب مرحوم کے تقریباً چوالیس بند بھی ہیں۔ جن میں محائب شعر نظم ہیں۔ قابل دید کتاب — قیمت مجلد عہ؍ غیر مجلد ۱۲؍ عہ

۲۰- **مادہ کامل** حضرت دبیر علیہ الرحمہ کا بے نقط مرثیہ — قیمت ۸؍

پتہ

منیجر محافظ اردو بک ڈپو نیا محل منصور نگر لکھنؤ